محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
نومبر ۲۰۱۵ء

ماہنامہ میثاق (لاہور)

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اسلامی معاشرت کے اصول
اور مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیادیں
(مطالعۂ حدیث)
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

داعیٔ رجوع الی القرآن/بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(گیارہواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(نواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۃ یُونس تا سورۃ الکہف
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 485 روپے

حصہ پنجم سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 484، قیمت 590 روپے

حصہ ہفتم سورۃ قٓ تا سورۃ النّاس
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 64

شمارہ : 11

محرم الحرام 1437ھ

نومبر 2015ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ
ادارہ

بیانُ القرآن — 11
سورۃ الحج (آیات ۴۹ تا ۷۸)
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث — 33
اسلامی معاشرت کے اصول
اور مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیادیں
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکّر و تدبّر — 56
قرآن کریم کی اصولی باتیں (۳)
ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

حذر اے چیرہ دستاں — 67
تنظیم اسلامی کی انسدادِ سود کی جدوجہد
حافظ عاطف وحید

یادِ رفتگاں — 71
حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں
پروفیسر حافظ قاسم رضوان

سبق پھر پڑھ — 81
خلافتِ راشدہ
شجاع الدین شیخ

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ

قرآن عظیم الشان میں دس مقامات ایسے ہیں جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصطلاح ایک وحدت کے طور پر آئی ہے۔ گویا یہ دونوں چیزیں ایک حیاتیاتی اکائی (organic whole) کی حیثیت سے قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ بادیٔ النظر میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ نہی عن المنکر کا کام خصوصی طور پر وہی لوگ کر سکیں گے جن کو ایسا کرنے پر قدرت اور ''سُلطٰن'' حاصل ہو۔ قرآن مجید میں مقابلتًا نہی عن المنکر پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان میں چند مقامات یہ ہیں جہاں یہ دونوں یکجا وارد ہوئے ہیں: لقمان: آیت ۱۷' الحج: آیت ۴۱' آلِ عمران: آیت ۱۱۰ اور ۱۰۴' المائدۃ: آیت ۶۳ اور ۷۹' الاعراف: آیت ۱۶۵' ہود: آیت ۱۱۶ وغیرہ۔ یہ ان دس مقامات میں سے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین ان مقامات کا خود مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ان آیات کا ترجمہ یا تشریح اس مختصر سی تحریر کی طوالت کا سبب بنے گی' لہٰذا اس بحث کو صرف اس پہلو تک محدود رکھا جائے گا جس میں ''صاحبِ اقتدار'' وصاحبانِ توفیق وقدرت کو نہی عن المنکر کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ متذکرہ آیات میں شامل سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں فرمایا جارہا ہے۔ ترجمہ: ''وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار (تمکّن) عطا کردیں تو وہ تین کام کریں گے: (۱) نماز کا نظام قائم کریں گے' (۲) زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے' اور (۳) بدی سے روکیں گے اور نیکی کا حکم کریں گے''۔ یہی نفس مضمون دوسری متذکرہ آیات کا بھی ہے کہ نہی عن المنکر اہم ترین فریضہ ہے جسے امت نے بحیثیت مجموعی اپنی حیثیت کے مطابق کرنا ہے۔ اگر کُل امت اس فریضہ کو چھوڑ چکی ہو تو پھر اس امت کے اندر ایک اجتماعیت ایسی موجود ہونی چاہیے جو اس کام کو کرتی رہے۔ اس اہم فریضہ سے متعلقہ کئی ایک احادیث بھی ہیں جن میں سے تین احادیث مبارکہ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص بھی تم میں سے کوئی منکر دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے''۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ فرض ہے۔ ایسا نہیں کہ جو کوئی برائی کرتا ہے کرتا رہے' اللہ خود اس سے پوچھے گا! جہاں اختیار ہے' طاقت ہے اور آپ روک سکتے ہیں تو آپ

پر طاقت سے روکنا فرض ہے۔ مثلاً گھر کے سربراہ کو گھر کے اندر یعنی اپنے دائرۂ اختیار میں اگر کوئی برائی کا کام نظر آرہا ہو تو وہ اس پر مکلّف ہے کہ اسے بزورِ بازو روکے۔ کسی سکول یا کالج کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے ادارے کے اندر کسی بھی غلط کام کو روکے۔ اسی طرح کسی حکومت کو خود بخود یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان تمام برائیوں کا قلع قمع کرے جو اس ملک میں پھیل رہی ہوں۔ خصوصاً کسی نظریاتی ملک میں تو یہ کام اہم تر ہو جاتا ہے کہ حکمران اور صاحبِ اقتدار منکرات پر کڑی نظر رکھیں تاکہ وہ معاشرے میں پنپ نہ سکیں۔ لہٰذا حکومتِ وقت اور اس کے اہل کاروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ برائی روکنے کے لیے تمام ذرائع استعمال کر کے اس کا انسداد کریں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اسے اپنی زبان سے بدل دے''۔ یعنی برائی کے خلاف اپنی زبان استعمال کرے' تحریر وتقریر کے ذریعے اس کے خلاف جہاد کرے۔ منکرات کو منکر کہہ کر لوگوں' اداروں اور حکومتی اہلکاروں کو متوجہ کرے۔ حتی الوسع اپنی کوشش جاری رکھے' خواہ اس راستے میں کتنے ہی موانع حائل ہوں۔ پھر اگر ایسی صورت حال ہو کہ زبانوں پر تالے پڑے ہوں' جابر وظالم لوگ حکمرانی کے تخت پر متمکّن ہوں' اللہ تعالیٰ کے احکام کو پامال کر رہے ہوں اور اپنے خلاف اٹھنے والی ہر قسم کی آواز کو دبا رہے ہوں' تو ایسے میں اس حدیث کی رُو سے جو راہ باقی رہ جاتی ہے وہ ہے: ''پھر اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم اپنے دل میں اس کے خلاف زبردست نفرت کا جذبہ رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

مسلم شریف ہی میں اس مضمون کی ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' جس کے آخر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر دل میں بھی اس منکر کے خلاف نفرت نہ ہو تو ''پھر تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔''

ایک اور حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم لازماً نیکی کا حکم دو گے اور بدی سے روکو گے' ورنہ اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب لائے گا کہ پھر تم دعائیں مانگو گے لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔'' (ترمذی)

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم اپنے معاشرے (جو حکومت اور عوام پر مشتمل ہے) کا اگر جائزہ لیں تو ایسے لگتا ہے کہ ہم اجتماعی طور پر ہر قسم کے منکرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ دہشت گردی' بھتہ خوری' قتل وغارت' اغواء کاری' جبر واستحصال' حقوق کا غصب' سمگلنگ' ملاوٹ' فحاشی وعریانی' ایک لمبی فہرست ہے جس میں ہمارا معاشرہ گرفتار ہے۔ ہاں ایسے افراد ضرور ہوں گے جو ان ناگفتہ بہ حالات میں بچ بچ کر نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ یہ انفرادی تقویٰ کی مثالیں ہیں جن سے بد سے بدتر معاشرہ بھی کبھی خالی نہیں ہوتا' لیکن درحقیقت ہم بحیثیت مجموعی درج

بالا منکرات کا شکار ہیں۔

ان منکرات میں سے سب سے بڑھ کر قبیح اور بدترین منکر سود اور سودی نظام ہے‘ جو نہ صرف یہ کہ مختلف شکلوں میں عوام الناس کے درمیان جاری ہے‘ بلکہ حکومتی سرپرستی میں سود ہماری معیشت کے مکمل نظام کو چلانے کا اہم ترین پرزہ بن چکا ہے۔ ہم نے از خود اس کافرانہ اور ظالمانہ نظام کو آزادی کے پہلے دن سے لے کر آج تک پال رکھا ہے‘ اور آج اسی سودی نظام کی وجہ سے ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے غلام بن چکے ہیں۔ اس سود کی وجہ سے آج ہماری آبادی کا ہر فرد ان سودی اداروں کا مقروض ہے اور گزشتہ پندرہ سالوں سے یہ بیرونی قرضہ فی فرد ۳۵ ہزار روپے سے بڑھ کر اب ایک لاکھ ایک ہزار روپے فی کس تک پہنچ چکا ہے۔ جو بھی حکمران تخت بدلتے ہیں وہ جا کر مزید قرضہ حاصل کر کے اپنی کامیابیوں کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ہم قرضہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ مزید قرضہ اور مزید سود کی ادائیگی کا یہ شیطانی چکر چل رہا ہے اور پاکستانی معیشت کا بیڑا غرق ہوتا جا رہا ہے۔ پوری قوم یہ سزا کاٹ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

> ”اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سود میں سے جو کچھ باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تم یہ نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ!“ (البقرۃ: ۲۷۸‘ ۲۷۹)

یہ پاکستانی ملت اپنی پیدائش ہی کے دن سے لے کر آج تک لنگر لنگوٹ کس کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہے تو اللہ کو اس پر رحم کیسے آئے گا؟ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسولؐ سے لڑنے والوں کی مدد کیوں کر کرے گا؟ کیا ہم قرآنی تنبیہات کو نہیں سمجھتے کہ اگر باز نہ آئے تو دُنیا و آخرت دونوں کی تباہی یقینی ہے!

پاکستان کی تاریخ کا یہ تو تاریک پہلو ہے جس میں سودی نظام جاری و ساری ہے۔ تاہم اس دوران اہلِ حق‘ علماءِ حق اور دینی جماعتیں اس لعنت کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہی ہیں۔ منبر و محراب کے علاوہ کئی ایک اداروں نے مختلف اوقات میں ہر ممکن ذرائع کو اس کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے سود/ربا کو حرام قرار دے کر اس کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اُس وقت ہمارے حکمرانوں نے مختلف حیلے بہانوں سے اس فیصلے کی تنفیذ کو ٹالنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ نے بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ مشرف حکومت نے اسے ریویو کے بہانے سرد خانے میں ڈال دیا اور عصر حاضر کے متبحر عالم دین اور فقہ کے ماہر جج جناب مفتی تقی عثمانی صاحب کو فیڈرل شریعت کورٹ ہی سے الگ کر دیا‘ کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! اور اپیل ایسے سرد خانے میں رہ گئی جہاں سے پھر اس نے نکلنا ہی نہ تھا۔ مشرف کا دور تو عیاں سیکولرزم اور امریکی غلامی کا دور تھا‘ سودی نظام کی شناعت مشرف جیسی شخصیت پر کہاں کوئی

اثر کر سکتی تھی۔

اب پھر مختلف تنظیموں اور اداروں‘ بشمول تنظیمِ اسلامی‘ کی طرف سے سپریم کورٹ میں جو اپیل دائر کی گئی تھی اس کا ایسا فیصلہ آیا ہے جس نے اس قوم کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جو عجوبہ بیان ہوا ہے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے‘ ہر خاص و عام نے وہ فیصلہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے دیکھا اور سمجھا ہے۔ مملکتِ خداداد پاکستان‘ جس کی بنیاد ہی اسلامی نظریہ ہے‘ اس کی سب سے اونچی عدالت کا ایسا فیصلہ جو اسلام کے ہر اصول کے خلاف ہے اور جس میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس فیصلہ کا حیران کن پہلو یہ ہے کہ ”جو کوئی سود لیتا ہے اللہ اس سے پوچھے گا!“ اس میں کیا شک ہے؟ پھر تو حکومت اور عدالتیں تمام برائیوں کو کھلا چھوڑ دیں‘ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے پوچھے گا‘ کوئی بھی اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں جا سکتا۔ پھر یہ حکومتی نظام‘ یہ عدالتیں اور یہ کروفر کس مرض کا علاج ہیں؟

مختصراً یہ کہ ہم نے عدالتی سطح پر پھر اپنی بغاوت کا اعلان تازہ کر دیا ہے کہ ہاں یہ قوم اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ جاری رکھے گی۔ لہٰذا منطقی انجام یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہم پہلے ہی سے مختلف عذابوں میں گھرے ہوئے ہیں‘ اور اب ایسا لگتا ہے کہ ہم نے خود عذاب کی آخری شکل یعنی عذابِ استیصال کو دعوت دی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

حکومت (Executive) اور عدالت (Judiciary) تو اس امتحان میں فیل ہو گئے ہیں‘ رہی ہماری مقنّنہ (Legislative) تو اس سے بھی خیر کی کوئی بڑی امید نہیں‘ کیوں کہ وہاں پر صرف ذاتی مفادات کی جنگ جاری رہتی ہے۔ قانون سازی کا یہ حال ہے کہ عائلی قوانین جو تمام مکاتب فکر کے مطابق اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں‘ ابھی تک اسی شکل میں موجود ہیں جو ابتدا میں بنے تھے‘ کسی مذہبی جماعت نے اس کے خلاف ابھی تک پارلیمنٹ میں کوئی قابلِ ذکر ردّ عمل ظاہر نہیں کیا۔ بدقسمتی سے قانون ساز وہاں جا کر ڈویلپمنٹ فنڈز اور اپنی مراعات بڑھانے میں اپنا کُل زور صرف کر رہے ہیں۔ سود کے خلاف تو اسی پارلیمنٹ میں بھی ایک تحریک برپا کی جا سکتی ہے۔ وہ کونسا مسلمان ہو گا جو سود پر پابندی کے حق میں اپنا ووٹ اور زور استعمال کرنے سے گریز کرے گا‘ سوائے چند سیکولر عناصر کے! حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کو اس عذاب میں قوم کے ان نام نہاد لیڈروں اور انہی اداروں نے مبتلا کیے رکھا ہے۔ یہ اس بے خدا ڈیموکریسی کے شاخسانے ہیں کہ یہ قوم وملتِ پاکستان ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے نہیں‘ بلکہ قومی‘ علاقائی‘ لسانی اور سب سے بڑھ کر مذہبی اور فرقہ واریت کی بنیاد پر بٹ کر منتشر ”ہجومِ مؤمنین“ کے طور پر جی رہی ہے۔ سود کے حق میں عدالت عالیہ کے متعلقہ بنچ کے فیصلے نے اس قوم کی اُمیدوں پر آخری حد تک پانی پھیر دیا ہے۔ دینی اور ایمانی اعتبار

سے موجودہ نہایت بے یقینی کی صورت حال میں اس سوال کا جواب کہ آئندہ کیا ہوگا؟ جنگ جاری رہے گی؟ ممکنہ طور پر تو یہی ہے کہ ''ہاں جنگ جاری رہے گی!'' (اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک) تو کیا کبھی اس پر بھی کچھ سوچا ہے کہ یہ جنگ کس کے ساتھ ہے؟ تو اے مملکت خداداد پاکستان کے حکمرانو' قانون سازو اور عدلیہ کے جج صاحبان! کیا آپ اس جنگ کو لڑنے کے لیے تیار ہیں جو قرآن کی رُو سے کسی اور سے نہیں' اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہے؟ اس جنگ کے نتیجے میں ہم نہ صرف آخرت میں بدترین خسارے کا شکار ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوں گے۔

اس حوالے سے ہم اپنے قارئین کی توجہ ایک اہم تر گوشہ کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے' اور وہ یہ کہ سود کی خباثت محض معاشی استحصال تک محدود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی طاغوتی قوتیں بیسویں صدی کے آغاز میں اس نتیجہ پر پہنچ گئی تھیں کہ جغرافیائی لحاظ سے کمزور ممالک پر اپنا عسکری تسلط قائم رکھنا اب ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا سودی معیشت جو سرمایہ دارانہ نظام کی جان اور روح ہے' اُسے دنیا کے اکثریتی حصہ پر مسلط کر دیا گیا۔ اب مقبوضہ علاقوں میں انہیں اپنے وائسرائے' گورنر اور ڈی سی مقرر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ عنانِ حکومت مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں ہی رہے گی اور یہ مقامی حکمران معاشی محتاجی کی وجہ سے ان قوتوں کے غلام رہیں گے۔ اُنہیں اپنے عالمی آقاؤں کے مفادات کا تحفظ ہر صورت کرنا ہوگا' چاہے ایسا کرتے وقت اُن کے اپنے ملک اور قوم کا مفاد عالمی غالب قوتوں کے مفاد سے ٹکراتا ہی کیوں نہ ہو۔ اب کمزور ممالک پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے اُنہیں بڑی افرادی قوت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پس پردہ رہنے کی وجہ سے وہ غریب ممالک کے عوام کی لعن طعن اور غیظ و غضب کا نشانہ بھی نہ بنیں گے۔

اسلام دشمن قوتیں اٹھارہویں اور انیسویں صدی سے مسلسل مسلمانوں کو شکست دے رہی تھیں اور بالآخر بیسویں صدی کے آغاز میں اسلام کے عظیم ترین ادارہ خلافت کا تیاپانچہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ بہت سے مسلمان ممالک کو مختلف عصبیتوں کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس شکست و ریخت کے باوجود اسلام دشمن قوتیں جانتی ہیں کہ مسلمان ایک نظریاتی امت ہے' بنیادی طور پر یہ جغرافیہ اور زمین سے جڑی ہوئی نہیں۔ باوجود اس کے کہ دشمن امتِ مسلمہ کو زمین پر گرا کر اُس کے سینے پر کھڑا ہے' لیکن اُس پر یہ گھبراہٹ بہر حال طاری ہے کہ یہ شیر پھر کہیں ہوشیار نہ ہوجائے اور اسلام کا انقلابی نظریہ ان کے نیم مردہ تن میں جان نہ ڈال دے۔ لہٰذا وہ دنیا بھر میں کہیں بھی سیاسی اسلام یا نظام خلافت کو کسی صورت قائم نہیں ہونے دیں گے۔ یہ نتیجہ محض جنگی قوت سے حاصل نہیں کیا جاسکے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کو معاشی گرفت کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔ آج چونکہ عسکری قوت معاشی قوت کے بَل پر ہی ممکن ہے لہٰذا مسلمانوں کو سودی قرضوں میں جکڑ دو تاکہ مقامی حکمران اپنے ممالک میں اسلام دشمن قوتوں کے ایجنڈے کی تکمیل میں حائل نہ ہوں۔

ہر وہ شخص جو پاکستان کی سیاسی تاریخ پر دیانت داری سے نظر ڈالے گا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان قوتوں نے پاکستان کے حکمرانوں کو اپنے احکامات کے تابع کرنے کے لیے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا۔ ایوب خان کے دور میں صنعتی ترقی کا بڑا شور وغوغا ہے۔ حقیقت میں اسی دور میں ہمیں یہ نشہ لگایا گیا۔ ترقی کے سبز باغ دکھا کر ہمیں سودی معیشت کا خوگر بنایا گیا۔ آج حال یہ ہے کہ قرضے اور سود در سود کے وبال نے ہمیں آلیا ہے۔ آج پاکستان میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ایک لاکھ ایک ہزار روپے کا پیدائشی طور پر مقروض ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والے سیاسی اور فوجی حکمرانوں نے غیر ملکی قرضے لیے اور صنعتیں قائم کرنے کی بجائے خود ہڑپ کر گئے۔

معاشی محتاجی جو سودی معیشت کا سب سے غلیظ اور گندا تحفہ ہے' اُسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اور ہماری حکومت یہ حقیقت اچھی طرح جانتے ہوئے بھی کہ افغانستان میں صرف اور صرف افغان طالبان ہی ہمارے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں' معاشی محتاجی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی سیاسی غلامی کے باعث آج ہم افغان طالبان کے حق میں آواز بھی نہیں نکال سکتے۔ امریکہ جو مختلف پاکستان دشمن تنظیم کا مالی' سیاسی اور عسکری مددگار ہے اور پاکستان میں دہشت گردی کرواتا ہے' یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم اُسے اتحادی بلکہ دوست کہنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اصل مسئلہ نظام اور تہذیب کے تسلط کا ہے۔ سودی معیشت کے ہوتے ہوئے تو اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی سکتے ہیں لیکن اسلامی نظام اور سودی معیشت یکجا نہیں ہوسکتے۔ ان کے مابین مشرق ومغرب سے زیادہ وسیع بُعد ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں بلکہ صحیح تر الفاظ میں حیلہ کرتے ہیں کہ بینک کا سود رِبا نہیں' یہ کاروباری لین دین ہے جبکہ مہاجن کا سود (یعنی پرائیویٹ طور پر کسی سے سود پر قرض لینا) حقیقت میں وہ سود ہے جسے قرآن رِبا قرار دیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ 'عذرِ گناہ بدتر از گناہ' والی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مہاجن کا سود ایک فرد یا ایک گھرانے یا زیادہ سے زیادہ ایک خاندان کو تباہ کرتا ہے' جبکہ بینک کا سود پوری قوم اور ملک کو تباہ وبرباد کرتا ہے۔ یہ بھی نوٹ کیا جانا چاہیے کہ مغرب اب اپنے شہریوں کے لیے سود کی شرح کو کم سے کم کر رہا ہے' اس لیے کہ وہ قومی سطح پر اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ سود ایک کینسر ہے جو کسی قوم کو لاحق ہو جائے تو اُس کا جانبر ہونا آسان نہیں' البتہ کمزور اور مسلمان ممالک کو سودی قرضوں میں پھنسا کر وہ زبردست سیاسی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ آخری بات یہ کہ پاکستان کا معاملہ خصوصی ہے۔ یہ وہ خطہ زمین ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ پر حاصل کیا گیا تھا کہ ہم یہاں پر تیرا اور تیرے حبیب ﷺ کا نظام نافذ کریں گے۔ لہٰذا پاکستان میں سودی معیشت کا رائج ہونا اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے' جس کا نتیجہ دنیا وآخرت میں خسارے کے سوا کچھ نکلنے والا نہیں۔ ۞۞۞

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الحَجّ

آیات ۴۹ تا ۵۷

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ
اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ
يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ
بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ
فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ
يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾

آیت ۴۹ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تو تمہارے لیے بس ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔‘‘

کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ میں تم لوگوں کو آنے والی زندگی کے مراحل کی تمام تفصیلات سے واضح طور پر خبردار کر دوں۔

آیت ۵۰ ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾﴾ ’’تو

جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لیے (اللہ کی طرف سے) مغفرت اور بہت باعزت روزی ہے۔‘‘

آیت ۵۱ ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾﴾ ’’اور جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی تگ و دو کرتے ہیں وہی ہیں جو جہنم والے ہیں۔‘‘

یعنی وہ لوگ جن کی ساری بھاگ دوڑ اور تگ و دو اللہ تعالیٰ کی آیات کو ناکام اور غیر مؤثر بنانے‘ گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی منصوبہ بندی کی راہ میں روڑے اٹکانے میں ہے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۵۲ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ﴾ ’’اور ہم نے نہیں بھیجا آپؐ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی‘ مگر یہ کہ جب اُس نے خود کوئی خیال باندھا تو شیطان نے اُس کے خیال میں خلل اندازی کی۔‘‘

لفظ ’’تمنا‘‘ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لغوی اعتبار سے اس مادہ میں آرزو اور خواہش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی جس طرح ایک عام آدمی سوچتا ہے‘ خواہش کرتا ہے اور مختلف امور میں منصوبہ بندی کرتا ہے اسی طرح نبیؑ اور رسولؑ بھی سوچتا ہے اور منصوبہ بندی کرتا ہے۔ مثلاً ابوطالب کی وفات کے بعد جب ابولہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا اور اس کی ذاتی دشمنی کے باعث آپ ﷺ کو اپنے قبیلے کی پشت پناہی حاصل نہ رہی تو آپؐ نے سوچا کہ اب کیا کروں؟ (ع ’’کس طرف جاؤں‘ کدھر دیکھوں‘ کسے آواز دوں!‘‘) چنانچہ ان حالات میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کرنے کا منصوبہ بنایا‘ لیکن وہاں سے کوئی مثبت جواب نہ ملا اور آپؐ کو بظاہر ناکام لوٹنا پڑا۔ بلکہ حضرت عائشہ ؓ کی روایت کے مطابق وہ دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن (یومِ اُحد سے بھی زیادہ سخت) ثابت ہوا۔ بہرحال آپ ﷺ نے منصوبہ بندی بھی کی اور اس کے مطابق کوشش بھی کی۔ یہ الگ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ سعادت اہلِ طائف کے بجائے اہلِ یثرب کی قسمت میں لکھی گئی تھی۔ تو جب کوئی نبی اپنی منصوبہ بندی کرتا ہے تو شیطان اپنی طرف سے ان کے خیال میں کچھ نہ کچھ خلل ضرور ڈالتا ہے۔

عصمتِ انبیاء کے بارے میں تمام اہلِ ایمان چونکہ بہت حساس ہیں اس لیے آیت زیر مطالعہ کے الفاظ سے جو مفہوم بظاہر سامنے آتا ہے وہ گویا ہر مسلمان کے حلق میں پھنس جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر و تشریح میں بہت سی دور از کار تاویلات بھی لائی گئی ہیں۔

بہر حال میرے خیال میں یہ بالکل سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ اس کو یوں سمجھیں کہ کسی رسول یا نبی کی شخصیت اور خواہشات وتعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو براہِ راست وحی الٰہی کے تابع ہے۔ اس پہلو سے متعلق معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے براہِ راست واضح ہدایات ملتی رہتی ہیں۔ ان ہدایات یا احکام میں کسی خطا یا غلطی کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس میں شیطان یا شیطانی قوتیں کسی قسم کی دراندازی کر سکتی ہیں۔

دوسری طرف نبیؑ کی شخصیت کا ایک ذاتی اور نجی پہلو بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نبیؑ کی کوئی ذاتی شخصیت یا سوچ ہوتی ہی نہیں' بلکہ بہت سے معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو ایک حکم دے دیا جاتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنے کے بارے میں نبیؑ خود سوچتا ہے' خود منصوبہ بندی کرتا ہے اور خود فیصلہ کرتا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کو ایک حکم دے دیا گیا: ﴿وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾﴾ (الشعراء) کہ آپ ﷺ تبلیغ شروع کیجیے اور اس سلسلے میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک ضیافت کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے بنو ہاشم کے تمام مَردوں کو مدعو کیا اور سب کو کھانا کھلایا۔ آپ ﷺ نے ان تک اپنا دعوتی پیغام پہنچانے کے لیے یہی طریقہ مناسب خیال کیا۔ گویا ایسے کسی حکم پر عمل کے لیے جزئیات کی منصوبہ بندی کرنے کا تعلق نبیؑ کے ذاتی اجتہاد سے ہے۔ چنانچہ ان تدبیری معاملات کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو براہِ راست وحی کی ہدایت کا ہوتا ہے۔

اس فرق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بہت سی عملی مثالیں بھی ہمیں سیرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک جگہ کی تخصیص فرما کر حکم دیا کہ لشکر کا کیمپ اس جگہ پر لگایا جائے۔ اس پر کچھ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر اس جگہ کے انتخاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے! لیکن اگر یہ آپؐ کی رائے ہے تو ہمیں بھی اپنی رائے پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے نہ صرف انہیں رائے دینے کی اجازت دی بلکہ ان کی رائے کو قبول بھی فرمایا اور لگے لگائے کیمپ کو اکھاڑ کر ان کی تجویز کردہ جگہ پر لگانے کا حکم دیا۔ یہ چونکہ حضور ﷺ کی ذاتی تدبیر تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں اختلاف کی گنجائش محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے عملی تجربات کی روشنی میں رائے دی۔ دوسری طرف اگر یہ فیصلہ وحی کی روشنی میں کیا گیا ہوتا تو کیمپ کے اکھاڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی طرح ''تابیرِ نخل'' کے معاملے کی مثال بھی بہت واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں پر کھجور کے درختوں کو بارآور کرنے کے لیے زیرہ پوشی کا مصنوعی طریقہ (artificial pollination) اختیار کیا جاتا تھا' یعنی نر درخت کے پھولوں کو مادہ درخت کے پھولوں پر جھاڑا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو یہ عمل کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو! آپ ﷺ کے ایسا فرمانے پر لوگوں نے اس سال وہ عمل نہ کیا تو اس کے نتیجے میں فصل واضح طور پر کم ہوئی۔ اس پر ان لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس سال ہم نے تابیرِ نخل کے مروّجہ طریقے پر عمل نہیں کیا تو ہماری فصل کم ہوئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاَمۡرِ دُنۡیَاکُمۡ))[1] یعنی آپ لوگ اپنے دُنیوی امور کے بارے میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محدثین عظام پر اپنی خصوصی رحمتیں' برکتیں اور نعمتیں نازل فرمائے۔ ان لوگوں کی محنتوں اور کوششوں سے حضور ﷺ کی احادیث محفوظ ہوئیں اور پھر ہم تک پہنچ کر ہماری راہنمائی کا ذریعہ بنیں۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مقصد اور مفہوم یہی ہے کہ دُنیوی معاملات کے مختلف شعبوں میں تم لوگوں کو ایسے تجربات حاصل ہیں جو مجھے حاصل نہیں اور میں تم لوگوں کو ان معاملات میں تعلیم دینے کے لیے مبعوث بھی نہیں ہوا۔ میں تم لوگوں کو زراعت کے اصول سکھانے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو تم لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے آیا ہوں اور یہی میری رسالت کا بنیادی مقصد اور موضوع ہے۔ چنانچہ رسالت سے متعلق امور میں آپ لوگوں کے لیے میرا اتباع لازمی ہے' لیکن دنیوی معاملات تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دو۔ اگر دیکھا جائے تو اہلِ مدینہ کا تابیرِ نخل سے متعلق مذکورہ عمل سائنسی اصولوں پر مبنی تھا۔ سائنس کی بنیاد تجربات پر رکھی گئی ہے اور سائنسی علوم کا ارتقاء (development) بھی تجربات کے ذریعے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ فرما کر حضور ﷺ نے تجرباتی یا سائنسی علوم کی گویا حوصلہ افزائی فرمائی کہ اپنے دُنیوی معاملات کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو اور یہ کہ ان امور کو تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دیا کرو۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیؐ یا رسولؐ کی وہ تعلیمات اور وہ ہدایات جو براہِ راست وحی الٰہی کے تابع ہوں ان میں نہ تو کسی قسم کی خطا کا امکان ہے اور نہ ہی ان کے اندر شیطانی قوتوں کی دراندازی کا کوئی احتمال ہے' لیکن عام دنیوی امور اور ان کی جزئیات کے

(۱) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ماذکره من معایش۔

بارے میں فیصلے کرتے ہوئے جہاں ایک نبی یا رسول اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لے رہا ہو وہاں پر کسی خطا یا شیطانی خلل اندازی کا امکان موجود رہتا ہے۔ میری یہ توجیہہ ’’موضح القرآن‘‘ میں بیان کردہ شاہ عبدالقادرؒ کی رائے کے قریب ترین ہے‘ لہٰذا مجھے اس پر پورا اطمینان ہے۔

﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ’’تو اللہ منسوخ کر دیتا ہے اسے جو کچھ شیطان نے ڈالا ہوتا ہے‘ پھر اللہ اپنے فیصلوں کو پختہ کر دیتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾﴾ ’’اور اللہ سب کچھ جاننے والا‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۵۳ ﴿لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ﴾ ’’تاکہ وہ شیطان کی طرف سے کی گئی آمیزش کو فتنہ بنا دے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہو‘ اور جن کے دل سخت ہو چکے ہوں۔‘‘

﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾﴾ ’’اور یقیناً ظالم لوگ مخالفت اور دشمنی میں بہت دور جا چکے ہیں۔‘‘

آیت ۵۴ ﴿وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ’’اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ جان جائیں جنہیں علم دیا گیا ہو کہ یقیناً یہ حق ہے آپؐ کے رب کی طرف سے‘‘

ایسے لوگ کسی بھی معاملے میں اللہ کے فیصلے پر پورے شرحِ صدر کے ساتھ ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔

﴿فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ﴾ ’’تو وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اُس (اللہ) کے آگے جھک جائیں۔‘‘

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾﴾ ’’اور یقیناً اللہ اہلِ ایمان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔‘‘

یعنی مخلص اہلِ ایمان سے کسی وقت اگر کہیں کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رخ پھیر کر درست سمت کی طرف موڑ دیتا ہے۔

آیت ۵۵ ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ ’’اور کافر تو اس بارے میں ہمیشہ شک و شبہ میں ہی رہیں گے‘‘

ان کے شکوک و شبہات تو کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾﴾ ’’یہاں تک کہ یا تو ان پر قیامت اچانک آن دھمکے یا ایک بانجھ دن کا عذاب ان پر مسلط ہو جائے۔‘‘

’’بانجھ دن‘‘ سے مراد ایسا دن ہے جو ہر خیر سے خالی ہو۔ یعنی وہ دن جس میں کسی قوم کی بربادی کا فیصلہ ہو جائے۔

آیت ۵۶ ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ’’اُس دن بادشاہی صرف اللہ کی ہو گی۔ وہی ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔‘‘

کائنات کا حاکم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات میں ہر جگہ‘ ہر وقت اسی کا حکم چل رہا ہے‘ لیکن آج اس حقیقت پر کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں ہمیں ڈرامے کے کرداروں کی طرح چھوٹے چھوٹے بادشاہ‘ فرمانروا‘ سردار وغیرہ بھی مقتدر اور بااختیار نظر آتے ہیں‘ لیکن جب قیامت کا دن آئے گا تو یہ سب پردے اٹھ جائیں گے۔ اس دن تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ﴾ (المؤمن:۱۶) ’’آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟‘‘ اور پھر خود ہی جواب دیا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ ’’صرف اُس اللہ کی جو واحد ہے‘ قہار ہے!‘‘

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾﴾ ’’تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾﴾ ’’اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔‘‘

آیات ۵۸ تا ۶۴

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ
مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ
اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ۝ۚ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ۧ

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ’’اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں‘‘

ہجرت کا یہ مضمون یہاں پر موقع محل کی مناسبت سے آیا ہے۔ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورت ہے اور جس طرح ہجرت سے متصلاً بعد سورۃ البقرۃ کا نزول ہوا اسی طرح ہجرت سے متصلاً قبل سورۃ الحج نازل ہوئی۔

﴿ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ﴾ ’’پھر وہ قتل ہو گئے یا فوت ہو گئے (دونوں صورتوں میں) اللہ ان کو لازماً رزقِ حسنہ عطا فرمائے گا۔‘‘

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۵۸﴾ ’’اور یقیناً اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ﴾ ’’وہ لازماً ان کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جس سے وہ راضی ہو جائیں گے۔‘‘

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۵۹﴾ ’’اور اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا‘ تحمل کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ﴾ ’’یہ تو ہے ہی! اور جو شخص بدلہ لے اسی قدر جس قدر اس پر زیادتی کی گئی‘‘

﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ﴾ ’’پھر اس پر مزید زیادتی کی جائے تو اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰﴾ ’’یقیناً اللہ معاف فرمانے والا‘ بخشنے والا ہے۔‘‘

یعنی مسلمانوں پر اس سے قبل جو زیادتیاں ہو چکی ہیں اب وہ ان کا بدلہ لے سکتے ہیں‘ اور پھر مزید کسی زیادتی کی صورت میں بھی اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

آیت ۶۱ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ’’اور یہ

اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے‘‘

یعنی اس کائنات کا پورا نظام عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ رات دن کا یہ الٹ پھیر اس نظام کے اندر موجود اعتدال و توازن کی ایک مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کا یہ نظام ایسے ہی چل رہا ہے جیسے کہ اسے چلنا چاہیے۔ اس نظام کو درست رکھنے کے لیے قدرت کی طرف سے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ان سے متعلق قبل ازیں آیت ۴۰ میں ایک راہنما اصول بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام میں ظالم اور مفسد قوتوں کو مستقلاً برداشت نہیں کرتا اور دوسری قوتوں کے ذریعے انہیں نیست و نابود کرتا رہتا ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ﴾ ’’اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دور نہ کرتا رہتا‘ تو ڈھا دیا جاتا خانقاہوں‘ گرجوں‘ معبدوں اور مسجدوں کو‘ جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے‘‘۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانی معاشرے کے نظام کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے انتظامات کرتا ہے اسی طرح اس نے کائناتی اور آفاقی نظام کو بھی ٹھیک ٹھیک چلانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱﴾ ’’اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا‘ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۶۲ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ ’’یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے۔‘‘

اللہ کی ذات برحق ہے‘ جس کا حق ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

﴿وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۶۲﴾ ’’اور یہ کہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا وہ سب باطل ہے‘ اور یہ کہ یقیناً اللہ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔‘‘

آیت ۶۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ﴾
’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝۶۳﴾ ’’یقیناً اللہ باریک بین اور بہت باخبر ہے۔‘‘

یہاں پر ’’لطیف‘‘ کے یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیریں کرنے والا ہے۔

آیت ۶۴ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ’’اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔‘‘

﴿وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿٦٤﴾﴾ ’’اور یقیناً اللہ بے نیاز‘ اپنی ذات میں خود حمید ہے۔‘‘

اسے کوئی احتیاج نہیں‘ وہ ستودہ صفات ہے‘ اپنی ذات میں خود محمود ہے‘ اسے کسی حمد کی ضرورت نہیں۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ط
وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ
رَّحِیْمٌ ﴿٦٥﴾ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ز ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ط اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَکَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ
اِلٰی رَبِّکَ ط اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ ط اِنَّ ذٰلِکَ
عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿٧٠﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ
لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ
تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ط یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ
عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ط قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ط اَلنَّارُ ط وَعَدَھَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿٧٢﴾ ع

آیت ۶۵ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ﴾ ’’کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے زمین کی سب چیزوں کو تمہارے لیے مسخّر کر دیا ہے‘‘

یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہاری ضروریات کی بہم رسانی میں لگا دیا ہے۔

﴿وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ط﴾ ’’اور کشتی کو جو چلتی ہے سمندر میں اُس کے حکم سے!‘‘

﴿وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط﴾ ’’اور وہ تھامے ہوئے ہے آسمان کو کہ وہ گر نہ جائے زمین پر مگر اُس کے حکم سے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٥﴾﴾ ’’یقیناً اللہ انسانوں کے ساتھ بہت ہی شفیق ہے‘ بہت مہربان ہے۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ز ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ط﴾ ’’اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا‘ پھر وہ تمہیں موت دے گا‘ پھر تمہیں زندہ کرے گا۔‘‘

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾﴾ ’’یقیناً انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔‘‘

یعنی پہلے تم مُردہ تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا۔ یہ آیت سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے گہری مشابہت رکھتی ہے: ﴿کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ج ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾﴾ دونوں آیات کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں۔ صرف سورۃ البقرۃ کے ’’کُنْتُمْ اَمْوَاتًا‘‘ کے الفاظ کو زیر مطالعہ آیت میں دہرایا نہیں گیا۔ مضمون دونوں آیات کا بہرحال ایک ہی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو عالمِ ارواح میں پیدا کیا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟) لینے کے بعد سب کو سلا دیا‘ بالکل اسی طرح جیسے آج کسی چیز کو کولڈ سٹوریج میں رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کی پہلی موت تھی۔ اس کے بعد جب کسی روح کا رحم مادر میں کسی جنین کے ساتھ ملاپ ہوتا ہے تو یہ اس روح یا اس انسان کا احیائے اول ہے۔ پھر دنیوی زندگی کے بعد جب اسے موت آئے گی تو یہ اس کا ’’اماتہ ثانیہ‘‘ ہوگا اور جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ احیائے ثانی ہوگا۔ اس مضمون کا ذروۂ سنام (climax) سورۃ غافر (المؤمن) کی آیت ۱۱ میں آئے گا۔

آیت ۶۷ ﴿لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ﴾ ’’ہم نے ہر اُمّت کے لیے قربانی (اور عبادت) کے طریقے مقرر کر دیے ہیں جن کی وہ پیروی کرتے ہیں‘ تو انہیں آپؐ سے اس معاملے میں جھگڑنا نہیں چاہیے‘‘

یعنی بنی اسرائیل کے لیے قربانی کا طریقہ اور تھا‘ بنی اسماعیل کسی اور طریقے سے قربانی کرتے تھے‘ جبکہ مسلمانوں کو ان دونوں سے مختلف طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ ہر اُمت کی اپنی اپنی

شریعت کا معاملہ ہے' اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۳۴ میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ بنایا ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لیا کریں ان مویشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔ تو (جان لو کہ) تمہارا معبود ایک ہی ہے' چنانچہ تم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو اور (اے نبیﷺ) بشارت دے دیجیے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔''

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾﴾ ''اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے۔ یقیناً آپ ہدایت کے سیدھے راستے پر ہیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔''

میرے پاس جو ہدایت میرے رب کی طرف سے آئی ہے میں اس کی پیروی کر رہا ہوں۔ اگر آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابلے میں آپ زیادہ حق پر ہیں تو آپ جانیں اور آپ کا رب جانے۔

آیت ۶۹ ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اللہ فیصلہ کر دے گا تمہارے مابین قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۷۰ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں اور زمین میں ہے؟''

﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ﴾ ''یقیناً یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔''

یہ وہی کتاب ہے جسے ''اُم الکتاب'' بھی کہا گیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم کی کتاب۔

﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾﴾ ''یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

تمہیں یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک چیز کا علم کیسے رکھتا ہے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

آیت ۷۱ ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ ''اور وہ پرستش کرتے

ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جن کے بارے میں اُس نے کوئی سند نہیں اتاری''

اگرچہ وہ اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں' جن کے بارے میں ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

﴿وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ ''اور انہیں اس کا کچھ علم بھی نہیں۔''

نہ صرف یہ کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کوئی سند نہیں بلکہ کوئی اثری ثبوت' کوئی عقلی بنیاد اور کوئی منطقی دلیل بھی ان کے پاس ان من گھڑت معبودوں کی پرستش کے لیے نہیں ہے۔

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾﴾ ''اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''

آیت ۷۲ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ﴾ ''اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات تو تم دیکھتے ہو ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار۔''

اللہ عزوجل کا کلام سن کر خوشی سے کھل اٹھنے کی بجائے ان کے چہروں پر بیزاری اور ناگواری کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ﴾ ''قریب ہوتے ہیں کہ ٹوٹ پڑیں ان پر جو ان کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔''

﴿قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ﴾ ''آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دوں؟''

یعنی جس قدر ناگواری تمہیں اس وقت ہو رہی ہے اور جس قدر سختی تم پر اس وقت بیت رہی ہے جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں' کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بڑھ کر ناگوار اور سخت چیز تمہارے لیے کیا ہوگی؟

﴿اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾﴾ ''وہ ہے آگ! جس کا وعدہ کیا ہے اللہ نے کافروں سے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

آیات ۷۳ تا ۷۸

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ
مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ ۚ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ
عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى
النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ
الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾

اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اسی اعتبار سے یہ ہمارے ’’مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب‘‘ میں بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس رکوع کے مطالعہ سے پہلے میں ’’منتخب نصاب‘‘ اور اس کی غرض و غایت کے حوالے سے بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

الحمدللہ! ہم نے ’’رجوع الی القرآن‘‘ کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب تک میں اس میں اپنی زندگی کے ۳۵ سال صرف کر چکا ہوں (واضح رہے کہ یہ دروس جن پر ’’بیان القرآن‘‘ مشتمل ہے ۱۹۹۸ء کے ہیں)۔ اسی تحریک کی کوکھ سے تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت نے جنم لیا ہے‘ ہماری اس دعوت ’’رجوع اِلی القرآن‘‘ کی بنیاد ’مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب‘‘ ہے۔ اس منتخب نصاب کو میں نے ذریعہ بنایا ہے لوگوں کو قرآن سے متعارف کرانے کا اور ایک مسلمان پر دین کی طرف سے جو بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں ان فرائض کا ایک جامع تصور ان کے سامنے رکھنے کا۔ یعنی دین کے وہ فرائض جن کے بارے میں ہم سے قیامت کے دن باز پرس ہونی ہے ان کا ایک صحیح تصور مختصر الفاظ میں ہمارے سامنے آ جائے۔ جہاں تک نماز‘ روزہ وغیرہ کا تعلق ہے‘ اس کے بارے میں تو سب جانتے ہیں کہ وہ بنیادی فرائض میں سے ہیں‘ لیکن کیا ہم پر اس کے علاوہ بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں؟ کیا ہم کچھ اور امور میں بھی مسئول ہیں؟ کیا بحیثیت مسلمان اس سے بڑھ کر کچھ مزید بھی ہماری ذمہ داری ہے؟ ان سب سوالات کے جوابات اس منتخب نصاب کے مطالعے میں موجود ہیں۔ یہ

نصاب تقریباً دو پاروں کے برابر ہے۔ یعنی حجم کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کا ۱/۱۵واں حصہ ہے۔

قرآن مجید کے اب تک کے مطالعے (بیان القرآن) کے دوران ہم منتخب نصاب کے کچھ حصوں کا مطالعہ بھی کر آئے ہیں‘ لیکن چونکہ اس نصاب میں زیادہ تر آیات اور سورتیں قرآن حکیم کے نصف ثانی بلکہ آخری حصے سے شامل ہوئی ہیں‘ اس لیے زیادہ تر مقامات کا مطالعہ ابھی باقی ہے۔ اگرچہ ان مقامات اور اسباق کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ قرآن کے کس حصے سے کتنا حصہ منتخب کیا جائے‘ لیکن عملی طور پر قرآن کے آخری حصے سے زیادہ آیات منتخب ہوئی ہیں۔ اس صورت حال کی ایک بہت خوبصورت مشابہت حروفِ مقطعات کے ساتھ ہے جس کی طرف آج اچانک میرا ذہن منتقل ہوا ہے اور وہ یہ کہ عربی کے ۲۸ یا ۲۹ حروف تہجی کی جو تختی ہے اس کے نصف اول میں سے بہت کم حروف ہیں جو حرف مقطعات میں شامل ہوئے ہیں‘ جبکہ اس تختی کے نصف ثانی میں سے بہت سے حروف ہیں جو حروف مقطعات میں آئے ہیں۔ یہ تو بہرحال ایک اضافی نکتہ تھا۔ اس وقت منتخب نصاب کے عمومی تعارف اور اس میں سورۃ الحج کے آخری رکوع کی اہمیت کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔

اس منتخب نصاب کے کل چھ حصے ہیں۔ پہلا حصہ ’’جامع اسباق‘‘ پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز سورۃ العصر سے ہوتا ہے جو قرآن حکیم کی ایک مختصر مگر انتہائی جامع سورت ہے۔ اس میں انسان کی نجاتِ اُخروی کے چار لوازم یعنی ایمان‘ عمل صالح‘ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد پہلے حصے میں قرآن کے تین ایسے جامع مقامات شامل کیے گئے ہیں جن میں نجات کے انہیں چاروں لوازم کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ پہلے حصے کا دوسرا درس سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ (آیت البر) پر مشتمل ہے جس میں نیکی کی حقیقت پر تفصیلی بحث ہوئی ہے کہ یوں تو ہر شخص اپنے ذہن میں نیکی کا ایک اپنا تصور رکھتا ہے لیکن اصل اور جامع نیکی کون سی ہے؟ نیکی کی روح کیا ہے؟ اس کی جڑ اور بنیاد کیا ہے؟ اس کا سب سے اونچا مقام کیا ہے؟ اور اس کا مقام مطلوب کون سا ہے؟

حصہ دوم میں ایمان سے متعلق مباحث ہیں کہ ایمان کیا ہے اور یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ اس حصے کے دروس میں سورۃ الفاتحہ کا درس‘ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کا درس اور سورۃ النور کے پانچویں رکوع کا درس شامل ہیں۔ اس نصاب کا تیسرا حصہ اعمالِ صالحہ کے بارے میں ہے۔ اس میں انفرادی و اجتماعی سطح پر اور پھر معاشرتی و ریاستی سطح پر اعمالِ صالحہ کی اہمیت‘ کیفیت‘ ضرورت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرتی سطح پر اعمالِ صالحہ کی

تفصیلات کے سلسلے میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا اہم درس بھی اس حصے میں شامل ہے۔ (ان آیات میں جو احکام مذکور ہیں وہ تورات کے ’’احکامِ عشرہ‘‘ یعنی Ten Commandments کی قرآنی تشریح وتعبیر کا درجہ رکھتے ہیں۔)

منتخب نصاب کے چوتھے حصے کا پہلا درس سورۃ الحج کے اس رکوع پر مشتمل ہے جو اَب ہمارے زیر مطالعہ آ رہا ہے۔ گویا اس کی جگہ منتخب نصاب کے عین وسط میں ہے۔ قرآن کی دعوت کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ اس میں قرآنی دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایک دعوتِ عمومی اور دوسری دعوتِ خصوصی۔ قرآن کی دعوتِ عمومی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ہے۔ کوئی فرد دنیا کے کسی گوشے یا کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو‘ کسے باشد! وہ قرآن کی اس دعوت کا مخاطب ہے۔ یہ عمومی دعوت دراصل ایمان کی دعوت ہے۔ چونکہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) اس لیے ایمان کی یہ دعوت تمام انسانوں کے لیے ہے کہ لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ‘ رسول پر لاؤ‘ آخرت‘ بعث بعد الموت‘ جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ! یہ پہلے درجے کی دعوت ہے اور پہلے درجے میں صرف ماننے کی دعوت ہی دی جاسکتی ہے۔ اس درجے پر عمل (نماز‘ روزہ وغیرہ) کی دعوت نہیں دی جاسکتی‘ کیونکہ جو انسان اللہ‘ رسول اور قرآن کو نہیں مانتا اس کے لیے نماز اور روزہ کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے!

اس کے بعد خصوصی دعوت کا درجہ ہے اور اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو پہلی دعوت یعنی دعوتِ ایمان پر لبیک کہتے ہیں۔ یعنی جو لوگ دعوتِ ایمان کو قبول کریں گے انہیں دعوتِ عمل کے ذریعے ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ضرورت واہمیت سے آگاہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس رکوع کی چھ آیات میں دعوتِ قرآنی کے ان دونوں (عمومی اور خصوصی) درجوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی چار آیات میں ’’يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ‘‘ کے الفاظ سے پوری بنی نوعِ انسان کو خطاب کیا گیا ہے‘ جبکہ آخری دو آیات میں ’’يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا‘‘ کے الفاظ کے ساتھ اہل ایمان کو دعوتِ عمل دی گئی ہے۔

آیت ۷۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ ’’اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے‘ پس اسے ذرا توجہ سے سنو!‘‘

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ ’’یقیناً

(تمہارے وہ معبود) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ایک مکھی بھی تخلیق نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔‘‘

چونکہ اس کے مخاطبِ اوّل مکّہ کے بت پرست تھے اس لیے انہیں شعور دلانے کے لیے ان کے بتوں کی مثال دی گئی ہے کہ خانہ کعبہ میں سجائے گئے تمہارے یہ تین سو ساٹھ بُت مل کر بھی کوشش کرلیں تب بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ یہ وہی انداز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے بتوں کی بے بسی ظاہر کرنے کے لیے اپنایا تھا۔ آپؑ نے بتوں کو توڑ کر ان کے پجاریوں کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ ’’اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے۔‘‘

یعنی مکھی کو تخلیق کرنا تو بہت دور کی بات ہے‘ یہ تو اپنے اوپر سے مکھی کو اڑا بھی نہیں سکتے۔ اگر کوئی مکھی ان کے سامنے پڑے ہوئے حلووں مانڈوں میں سے کچھ لے اڑے تو اس سے وہ چیز واپس بھی نہیں لے سکتے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝۷۳﴾ ’’کس قدر کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی!‘‘

اس مضمون پر یہ جملہ اس قدر جامع ہے کہ قرآن مجید کے نظریۂ توحید کا عملی لُبِ لُباب ان تین الفاظ میں سما گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر باشعور انسان کا ایک نصب العین‘ آئیڈیل یا آدرش ہوتا ہے‘ جس کے حصول کے لیے وہ دن رات بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت اور اس کا آئیڈیل آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کے لیے معیار اور کسوٹی فراہم کرتے ہیں۔ کسی انسان کا معیار اس کے آئیڈیل سے پہچانا جاتا ہے اور کسی آئیڈیل کا معیار اس کے چاہنے والے کے معیار سے پرکھا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کا آئیڈیل گھٹیا ہے تو لازماً وہ انسان خود بھی اسی سطح پر ہو گا اور اگر کسی کا آئیڈیل اعلیٰ ہو گا تو وہ خود بھی اعلیٰ شخصیت کا مالک ہو گا۔ اس اصول پر ان لوگوں کے ذہنوں کے معیار اور سوچوں کی سطح کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو پتھر کے بتوں کو اپنے معبود سمجھ کر ان کے آگے جھکتے ہیں۔ جس طالب کا مطلوب اور آئیڈیل ایک ایسا بے جان مجسمہ ہے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی تک کو نہیں اڑا سکتا‘ اس کی اپنی شخصیت کا کیا حال ہو گا: ع

’’قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا!‘‘

یہ مضمون ذرا مختلف انداز میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۵ میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ﴾ کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مدِّ مقابل کچھ معبود بنا کر ان سے ایسے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس توحید کا سبق تو یہ ہے: لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہ! لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ! لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہ! یعنی انسان کا محبوب و مقصود و مطلوب صرف اور صرف اللہ ہے۔ باقی کوئی شے مطلوب و مقصود نہیں ہے‘ باقی سب ذرائع ہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے اور اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے مختلف ذرائع سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں توحید کا تقاضا یہی ہے کہ ان سب چیزوں کو ذرائع کے طور پر استعمال ضرور کریں مگر انہیں اپنا مطلوب و مقصود نہ بنائیں۔ نہ کھیتی کو‘ نہ دکان کو‘ نہ کسی ہنر کو‘ نہ کسی پیشے کو‘ نہ کسی رشتہ دار اور نہ اولاد کو! یہ ہے توحید کا لُبِّ لُباب!

جو شخص توحید کے اس تصور تک نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کی معرفت اس انداز میں حاصل نہیں کر سکتا‘ اس کے ذہن کی پستی اسے اللہ کو چھوڑ کر طرح طرح کی چیزوں کی پرستش کرنا سکھاتی ہے اور پھر اسی ڈگر پر چلتے ہوئے کوئی وطن پرست ٹھہرتا ہے تو کوئی قوم پرست قرار پاتا ہے۔ کوئی دولت کی دیوی کا پجاری بن جاتا ہے تو کوئی اپنے نفس کو معبود بنا کر اپنے ہی حریم ذات کے گرد طواف شروع کر دیتا ہے۔ ع ’’اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!‘‘

آیت ۷۴ ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ ؕ﴾ ’’انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔‘‘

ایسے لوگ اللہ کی کما حقہٗ معرفت حاصل نہ کر سکے اور جلال و جمالِ الٰہی کی کوئی جھلک نہ دیکھ سکے اور یوں دنیا اور اس کی چیزوں کو اصل مطلوب و مقصود سمجھ کر اس عروسِ ہزار داماد کے عاشق بن بیٹھے!

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۷۴﴾﴾ ’’یقیناً اللہ بہت طاقت والا‘ سب پر غالب ہے۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ ’’اللہ چن لیتا ہے اپنے پیغامبر فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۷۵﴾﴾ ’’یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا‘ دیکھنے والا ہے۔‘‘

یہاں رسالت کے دونوں واسطوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جس میں ایک ’’رسولِ ملک‘‘ ہے

اور دوسرا ’’رسولِ بشر‘‘ ہے۔ چنانچہ فرشتوں میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چنا گیا اور انسانوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو۔ اور یوں رسولِ ملک کے ذریعے رسولِ بشر تک پیغام پہنچایا گیا تا کہ وہ اپنے ابنائے نوع تک اسے پہنچا دیں۔

آیت ۷۶ ﴿یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ ؕ﴾ ’’وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔‘‘

﴿وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾﴾ ’’اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹا دیے جائیں گے۔‘‘

اس آیت میں آخرت کا ذکر بھی آ گیا اور یوں اس دعوتِ عمومی میں امورِ ثلاثہ یعنی توحید‘ رسالت اور آخرت کا ذکر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس دعوت میں یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ (آیت ۷۳) کے الفاظ سے نوعِ انسانی کے تمام افراد کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اب دوسرے مرحلے کی دعوت ان خصوصی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے اس پہلی دعوت پر لبیک کہا کہ ہم ایک اللہ کو معبود مانتے ہیں‘ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں‘ بعث بعد الموت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کے فلسفے پر بھی ایمان رکھتے ہیں‘ وہ لوگ اہل ایمان قرار پائے۔ اب اگلے مرحلے میں انہی لوگوں کو عمل کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس اندازِ دعوت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اس میں فعل امر کا استعمال کیا گیا ہے‘ یعنی اس دعوت کا انداز حکمیہ ہے۔ پہلی دعوت میں فعل امر کا استعمال صرف مثال سنانے کی حد تک ہوا تھا: ﴿فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ ؕ﴾ کہ یہ مثال جو بیان کی جا رہی ہے اسے غور سے سنو! لیکن جو لوگ اس دعوت کو مان کر اسلام کے دائرہ میں آ گئے ہیں انہیں اب باقاعدہ حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۷۷ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَ اسۡجُدُوۡا وَ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمۡ﴾ ’’اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ اور سربسجود ہو جاؤ اور اپنے رب کی بندگی کرو‘‘

یہاں صرف اصطلاحی رکوع اور سجدہ ہی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دینے کا حکم ہے۔ اسی طرح ’’عبادت‘‘ کے حکم میں بھی ’’مکمل بندگی‘‘ کا مفہوم پنہاں ہے۔ ع

زندگی آمد برائے بندگی   زندگی بے بندگی شرمندگی!

﴿وَ افۡعَلُوا الۡخَیۡرَ﴾ ’’اور نیک کام کرو‘‘

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ وَاعۡبُدُوۡا (بندگی کرو!) کے حکم میں تو گویا سب کچھ آ گیا۔ اب اس کے بعد مزید نیک کام کون سے ہیں؟ دراصل ''فعل خیر'' سے یہاں مراد خدمتِ خلق ہے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدمتِ خلق میں لگا دو! اور خدمتِ خلق صرف بھوکے کو کھانا کھلانے تک ہی محدود نہیں بلکہ سب سے بڑی خدمتِ خلق یہ ہے کہ لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس حکم میں یہ بھی شامل ہے کہ اے اللہ کے بندو! ایمان و عمل کے جو حقائق تم پر منکشف ہو گئے ہیں ان سے دوسرے لوگوں کو بھی روشناس کراؤ' تاکہ وہ جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۷۷﴾ ''تاکہ تم فلاح پاؤ!''

سیاق و سباق کے اعتبار سے یہ بہت اہم بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان کے دعوے دارو! کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ایمان کا اقرار کر لیا تو بس اب فلاح ہی فلاح ہے۔ بس کلمہ پڑھ لیا اور کامیابی ہو گئی۔ نہیں ایسا نہیں! ع ''یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے!'' تم لوگوں نے اس شہادت گاہ میں قدم رکھا ہے تو اب اس کے تقاضے پورے کرو گے تو تب کامیابی ہو گی۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ بس ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اب بیٹھے بٹھائے ہمیں جنت مل جائے گی تو یہ تمہارا اپنا خیال ہے' تمہاری اپنی دل خوش کن تمنا (wishful thinking) ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۱۱) ''یہ ان کی تمنائیں ہیں۔''

امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ سورۃ الحج کی اس آیت کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ آیتِ سجدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ آیاتِ سجدہ پر سجدۂ تلاوت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے۔''

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ ''اُس نے تمہیں چن لیا ہے''

اب نبوت محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ آئندہ جبرائیلؑ کسی کے پاس وحی لے کر نہیں آئیں گے۔ انہوں نے جو وحی پہنچانی تھی پہنچا دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام محمد ﷺ

نے تم لوگوں تک پہنچا دیے ہیں۔ اب ان احکام کو' اس دعوت کو تمام نوعِ انسانی تک پہنچانے کے لیے اللہ نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تمام انسانوں میں سے تمہیں چن لیا گیا ہے' اس عظیم الشان مشن کے لیے تمہارا سلیکشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ تم اپنے نصیب پر فخر کرو اور اس کام میں لگ جاؤ۔

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ﴾ ''اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ﴾ ''تمہارے جدّ امجد ابراہیمؑ کی ملت۔''

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ﴾ ''اُسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے''

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ''مسلم'' کا خطاب دیا ہے اور تمہارے جدّ امجد ابراہیم علیہ السلام نے بھی تمہارا یہی نام رکھا تھا۔ سورۃ البقرۃ' آیت ۱۲۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠﴾ ''پروردگار! ہمیں بھی اپنا فرمانبردار (مسلم) بنا کر رکھیو اور ہماری اولاد سے بھی ایک اُمت مسلمہ اٹھائیو!''

﴿مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ ''اس سے پہلے بھی (تمہارا یہی نام تھا) اور اس (کتاب) میں بھی ہے''

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ﴾ ''تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔''

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں آیا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسط بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ صرف یہ فرق ہے کہ وہاں پہلے امت کا ذکر ہے اور پھر رسول کا' جبکہ یہاں پہلے رسول اور بعد میں امت کا ذکر ہے۔ پس اے اہل ایمان! اس ذمہ داری کو اچھی طرح سے سمجھ لو اور اب بسم اللہ کرو! قدم آگے بڑھاؤ! اور دیکھو تمہارا سب سے پہلا قدم کون سا اٹھنا چاہیے:

﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ﴾ ''پس نماز قائم کرو اور

زکوٰۃ ادا کرو‘ اور اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔‘‘

اللہ تمہارا حمایتی اور پشت پناہ ہے‘ تم اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔

﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۷۸﴾ ’’وہ تمہارا مولیٰ ہے‘ تو کیا ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی اچھا ہے مددگار!‘‘

’’مولیٰ‘‘ کے مفہوم میں آقا‘ حمایتی‘ پشت پناہ‘ ملجا و ماویٰ اور مرجع کے معانی شامل ہیں۔

اس رکوع کے مضامین بہت اہم ہیں‘ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے اہم نکات ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیے جائیں۔ اس رکوع میں پہلا سبق توحید سے متعلق ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ ایک انسان کا مطلوبِ حقیقی‘ محبوبِ حقیقی اور مقصودِ اصلی صرف اور صرف اللہ ہی ہو۔ اس کے بعد دوسرا نکتہ رسالت سے متعلق ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک رسالت کا سلسلہ صرف دو واسطوں پر مشتمل تھا‘ یعنی رسولِ ملک اور رسولِ بشر۔ لیکن اب دورِ محمدیؐ میں ایک تیسرے واسطے کا اضافہ کیا گیا اور اُمت مسلمہ کو بھی ایک مستقل کڑی کے طور پر رسالت کے سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) میں منسلک کر دیا گیا ہے۔ اس ذمہ داری کے لیے امت مسلمہ کے انتخاب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس رکوع (آیت ۷۸) میں (هُوَ اجْتَبٰىكُمْ) کے الفاظ سے کیا ہے‘ جبکہ قبل ازیں آیت ۷۵ میں رسولِ ملک اور رسولِ بشر کے لیے ’’اِصطِفاء‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ﴾۔ اِصْطِفاء اور اِجْتِباء دونوں الفاظ معنی کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور خود حضور ﷺ کے لیے (محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ) بھی مستعمل ہیں۔

اس رکوع کا تیسرا مضمون ’’شہادت علی الناس‘‘ کے بارے میں ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کے الفاظ کی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ سے بہت قریبی مشابہت ہے‘ بلکہ دونوں مقامات پر الفاظ ایک جیسے ہیں‘ صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ یہ ہیں: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ جبکہ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ میں الفاظ کی ترتیب یوں ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ (مضمون اور الفاظ کے اعتبار سے جو نسبت ان دو آیات کی آپس میں ہے بالکل وہی نسبت سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے ان الفاظ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ کی سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ کے ان الفاظ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ کے ساتھ ہے۔)

چنانچہ اس اعتبار سے اُمتِ مسلمہ پر شہادت علی الناس اور پیغامِ رسالت کی دعوت و تبلیغ کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے‘ جس کے بارے میں قیامت کے دن بہت سخت جواب دہی ہوگی۔ اس جواب دہی کے بارے میں سورۃ الاعراف کی یہ آیت بہت واضح ہے: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۶﴾۔ چنانچہ وہاں اُمتِ مسلمہ سے بحیثیتِ مجموعی جواب طلبی ہوگی کہ تم لوگوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس حد تک نبھایا تھا؟ یعنی جو دین تم لوگوں تک آخری نبی ﷺ کے ذریعے پہنچا تھا کیا تم لوگوں نے اسے پوری نوعِ انسانی تک پہنچا دیا تھا؟ اور اگر یہ ذمہ داری اُمت نے کما حقہ پوری نہیں کی ہوگی تو پوری امت بحیثیتِ مجموعی مجرم قرار پائے گی۔ اور چونکہ آج اُمت مسلمہ مجموعی طور پر اپنی اس ذمہ داری کا حق ادا نہیں کر رہی ہے اس لیے اپنے اسی جرم کی پاداش میں اجتماعی طور پر ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ اور بقول علامہ اقبال آج اس کی کیفیت یہ ہے کہ: ع

حمیت نام تھا جس کا‘ گئی تیمور کے گھر سے!

دنیا کی ذلت و خواری کی یہی سزا اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کے اجتماعی جرائم کی پاداش میں مل چکی ہے‘ جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾۔ اس لیے کہ اجتماعی جرائم کی سزا قوموں کو دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے۔

اُمتِ مسلمہ اجتماعی طور پر تو اس سلسلے میں قصور وار ہے ہی‘ مگر اُخروی محاسبے کے دوران ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں بھی جواب دہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے لیے ہم میں سے ہر شخص کو فکرمند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے اس فرض کو کس حد تک نبھا رہا ہے اور قیامت کے دن اس نے اس سلسلے میں کیا جواب دینا ہے۔ کیا وہ اپنی دنیا کی زندگی میں صرف دولت کمانے اور جائیدادیں بنانے کے ایک کبھی نہ ختم ہونے والے چکر میں پڑا رہا یا اُس نے دعوتِ قرآن اور تبلیغ دین کے فریضہ کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی اور اپنی دولت‘ صلاحیتوں اور جان کی قربانیوں کے ذریعے استطاعت بھر اس کام میں بھی اپنا حصہ ڈالا؟

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذّکر الحکیم ○○

اسلامی معاشرت کے اصول
اور مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیادیں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

کا ۴ جولائی ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ (الحجرات)

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ (التوبة:۷۱)

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (المائدة)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

((لَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ، وَلَا يَخْذُلُهٗ، وَلَا يَحْقِرُهٗ، التَّقْوٰى هٰهُنَا)) وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ((بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ ، دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ))(۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' (کوئی چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم ظلم المسلم......

خرید رہا ہو تو) خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر قیمت نہ بڑھاؤ کہ (وہ چیز اسے مہنگی ملے)۔ آپس میں بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو' کسی کی بیع پر کوئی شخص بیع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس (مسلمان بھائی) پر نہ تو ظلم کرتا ہے' نہ اس کی مدد ترک کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے''۔ آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے۔ (مزید فرمایا:) انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے' یعنی اس کا خون' مال اور عزت و آبرو۔''

معزز سامعین کرام!

آج ہمارے زیر مطالعہ اربعین نووی کی ۳۵ ویں حدیث ہے اور اس کا موضوع ہے: اسلامی معاشرت کے اصول —— مسلمانوں میں باہمی اخوت' باہمی خلوص و اخلاص اور باہمی حمایت و تعلق کی جو کیفیت ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کی تاکید موجود ہے اور ان میں سے تین آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الحجرات کی ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ (الحجرات)

''یقیناً تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

حُریّت' مساوات اور اخوّت کا وسیع تر تصوّر

امر واقعہ یہ ہے کہ اخوتِ باہمی کا جو وسیع تر تصور اسلام نے دنیا میں پیش کیا ہے' یہ اور کہیں موجود نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے اسے اپنے اشعار میں سمویا ہے: ؎

کُلُّ مُؤْمِن اِخْوَةٌ اندر دلش ؎ حُرِیّت سرمایۂ آب و گِلش

یعنی مؤمن کے دل میں یہ بات موجود ہوتی ہے کہ تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور بندہ مؤمن کی سرشت میں حریت و آزادی موجود ہے۔ انسان اگر ایک اللہ کی

غلامی کرلے تو اسے تمام غلامیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

یہ بھی حقیقت ہے کہ جیسے اخوت کا وسیع تر تصور اسلام کے سوا اور کہیں نہیں ملتا‘ اسی طرح حریت کا یہ وسیع تصور بھی آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی غلامی تو موجود ہوتی ہے‘ چاہے وہ بادشاہوں کی غلامی ہو یا جمہوریت میں اکثریت کی غلامی ہو۔ جمہوریت میں اکثریت کی رائے ماننی پڑے گی چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور اکثریت کے مقابلے میں اقلیت کی رائے نہیں چلے گی‘ چاہے وہ صحیح ہو۔ اسی لیے اقبال نے جمہوریت پر طعن کرتے ہوئے کہا تھا ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں‘ تولا نہیں کرتے!

ان غلامیوں سے بڑھ کر بھی ایک غلامی ہے اور وہ اپنے نفس کی غلامی ہے۔ سورۃ الفرقان میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ﴾ (آیت ۴۳) ’’کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟‘‘—— ان تمام غلامیوں سے آزادی اہل ایمان کی سرشت اور فطرت میں شامل ہے۔

دینِ اسلام کے بغیر امتیازات کا خاتمہ ممکن نہیں

اخوت اور حریت کی طرح مساوات کا وسیع تر اور صحیح تصور بھی اسلام ہی نے پیش کیا ہے اور اسلام ہی تمام بنی نوعِ انسان میں ہر طرح کے امتیازات کو ختم کرتا ہے۔ ؎

ناشکیبِ امتیازات آمدہ در نہادِ او مساوات آمدہ

بندۂ مؤمن انسانوں میں امتیازات کو اہمیت نہیں دیتا۔ یہ کالا یہ گورا‘ یہ مشرقی یہ مغربی‘ یہ اونچی ذات‘ یہ نیچی ذات —— ان تمام امتیازات سے آزاد کرنے والا پوری انسانی تاریخ میں صرف اللہ کا دین ہے‘ اور کوئی نہیں ہے۔ ورنہ ہمیشہ امتیازات ہوں گے اور یہ کبھی ختم نہیں ہو سکیں گے۔ کالے گورے کا امتیاز آج بھی امریکہ میں ختم نہیں ہوا

ہے۔ اگرچہ قانونی اور دستوری اعتبار سے جتنی وہاں کوشش کی گئی اس سے زیادہ کوشش ناممکن ہے۔ وہاں پر امتیازی سلوک (discrimination) بہت بڑا جرم ہے۔ اس پر مقدمہ بنتا ہے‘ سزا ملتی ہے۔ لیکن قانون کی دل پر تو حکمرانی نہیں ہوتی۔ دل میں احساسات موجود ہوتے ہیں‘ جو صرف ایمان و یقین کے ذریعے بدلتے ہیں کہ تمام انسان چاہے کالے ہوں‘ گورے ہوں‘ سفید ہوں‘ سرخ ہوں‘ شرقی ہوں‘ غربی ہوں‘ پیلے ہوں‘ براؤن ہوں‘ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور سب آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ ان سب کا باپ اور ماں مشترک ہے۔ انسانوں میں رنگ ونسل کا امتیاز تب تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک دو چیزوں پر ایمان نہ ہو: (۱) سب کا خالق اللہ ہے‘ اور (۲) ساری نوعِ انسانی ایک جوڑے آدم وحوا کی نسل ہیں۔ ڈارون کے نظریے نے تو انسان کی انسانیت ہی کا انکار کر دیا‘ چنانچہ اس نظریے کے مطابق انسانوں کے درمیان کوئی چیز مشترک ہے ہی نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت بھارت کو جمہوریت کی معراج پر سمجھا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ واقعی یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے جمہوریت پر تسلسل کے ساتھ عمل کر کے دکھایا ہے۔ وہاں شرح خواندگی انتہائی نچلے درجے (low literacy percentage) پر ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ جہاں پر شرح خواندگی زیادہ نہ ہو‘ وہاں جمہوریت نہیں چل سکتی۔ لیکن انہوں نے شرح خواندگی انتہائی کم درجے پر ہونے کے باوجود جمہوریت کو چلا کر دکھایا ہے اور یہ کسی معجزہ سے کم نہیں ہے‘ لیکن اونچ نیچ کا فرق وہاں ختم نہیں ہو سکا۔ برہمن اونچا ہے‘ اچھوت اور شودر نیچے ہیں‘ اور انہیں مذہبی تعلیمات سننے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ کسی محفل میں کوئی پنڈت بیان کر رہا ہو اور وہاں سے کوئی شودر گزرے اور اس کے کان میں کسی اشلوک کی آواز پڑ جائے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہاں بھی حکومتی سطح پر بڑی کوششیں ہوئی ہیں‘ لیکن آج بھی وہاں اونچ نیچ کا یہ فرق اسی طرح موجود ہے۔ ہمارے علم میں وہاں کے جو ہندو مسلم فسادات آتے ہیں‘ ان سے بڑھ کر فسادات وہاں اونچی ذات اور نیچی ذات کے ہندوؤں کے درمیان ہوتے ہیں۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کی

تو پوری کی پوری بستیاں جلا دی جاتی ہیں۔

بہر حال بندۂ مؤمن کی سرشت میں مساوات موجود ہے کہ تمام انسان مساوی ہیں‘ پیدائشی طور پر کوئی اونچا نہیں‘ کوئی نیچا نہیں۔ عورت اور مرد میں بھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہے اور وہ دونوں ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ دونوں اگر بہن بھائی ہیں تو دونوں ایک ہی باپ کے نطفے سے ہیں اور انہوں نے ایک ہی ماں کے رحم میں پرورش پائی ہے۔ ہاں معاشرتی نظام میں مرد و عورت میں فرق ہے۔ جیسے آپ کے دفتر میں بحیثیت انسان سب برابر ہیں‘ لیکن انتظامی معاملات میں چپڑاسی اور افسر برابر نہیں ہیں‘ اسی طرح گھر کے ادارے (institution) کے انتظامی معاملات چلانے کے لیے مردوں کو ایک طرح کا اختیار دیا گیا ہے اور ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ کے مصداق گھر کا سربراہ مرد کو بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزی کمانا مرد کے ذمے ہے‘ نہ کہ عورت کے۔

اللہ کے دوست اور ولی کون؟

دوسری آیت جو میں نے ابتدا میں تلاوت کی‘ وہ سورۃ التوبہ کی آیت ۷۱ ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان مرد و زن کو ایک دوسرے کے ولی قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ﴾ (التوبۃ:۷۱)

’’مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔‘‘

ولی کا لفظ بہت گھمبیر ہے اور ایک لفظ میں اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ مددگار‘ حامی‘ پشت پناہ‘ آپ یہ سارے الفاظ جمع کر لیجیے تو ولی بنے گا۔ اس آیت میں تو فرمایا گیا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں‘ جبکہ اس سے قبل آیت ۶۷ میں منافق مرد و زن کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیا گیا ہے: ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ﴾ ’’منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہی ہیں‘‘۔ یعنی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

تیسری آیت سورۃ المائدۃ کی ہے جس میں حزب اللہ کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں اور ان کا ایک وصف یہ بیان ہوا ہے: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۵۵﴾ ’’(دیکھو مسلمانو!)

تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ‘ اُس کا رسولؐ اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر‘‘۔ اس دائرے سے باہر تمہاری ولایت نہیں جائے گی۔ کافروں‘ غیر مسلموں‘ یہودیوں اور نصرانیوں سے تمہاری ولایت اور دوستی نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہو سکتا ہے‘ وہ بھی صرف ان کے ساتھ جو ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف نہیں ہیں۔ سورۃ الممتحنۃ میں یہ موضوع تفصیل سے آیا ہے: ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ﴾ (آیت ۸) ’’اللہ تمہیں نہیں روکتا ان لوگوں سے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے کبھی جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرو یا انصاف کا معاملہ کرو‘‘۔ یعنی جن غیر مسلموں نے تمہارے خلاف کوئی محاذ آرائی نہیں کی‘ تم پر چڑھائی نہیں کی‘ تم سے لڑتے نہیں ہیں‘ تمہارے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے منع نہیں کرتا۔ لیکن ان کے ساتھ بھی ولایت‘ قلبی تعلق اور محبت نہیں ہوگی‘ صرف حسنِ سلوک تک کا معاملہ ہوگا‘ جبکہ ولایت اور محبت پہلے نمبر پر اللہ سے ہے‘ دوسرے نمبر پر رسول ﷺ سے ہے‘ اور تیسرے نمبر پر اہل ایمان سے ہے۔

اگلی آیت میں ایسے لوگوں کو اللہ کی پارٹی (حزب اللہ) قرار دیا گیا ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۵۶﴾ (المائدۃ) ’’اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ‘ اُس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کے ساتھ (تو وہ شامل ہو جائے گا اللہ کی پارٹی میں) پس سن لو کہ اللہ کی پارٹی ہی غالب رہنے والی ہے‘‘۔ یعنی جو اہلِ ایمان یہ تقاضے پورے کر دیں گے کہ ان کے ولی اللہ‘ اس کا رسول ﷺ اور اہلِ ایمان ہی ہیں تو یہ لوگ حزب اللہ بن جائیں گے اور حزب اللہ کے لیے یہ خوش خبری ہے کہ وہی بالآخر غالب ہونے والی ہے۔

حسد اور تکبّر کی ممانعت

قرآن مجید سے یہ تین مقامات میں نے ابتدا میں بیان کیے تھے‘ جن پر ایک نظر ہم

ڈال چکے ہیں۔ اب آیئے حدیث کی طرف۔ زیر مطالعہ حدیث میں کچھ منفی احکام آ رہے ہیں کہ یہ نہ کرو‘ یہ نہ کرو‘ جبکہ اس کے برعکس بعض احادیث میں مثبت احکام آئے ہیں کہ یہ کرو‘ یہ کرو!

زیر مطالعہ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَحَاسَدُوْا)) ’’آپس میں حسد مت کرو‘‘۔ حسد اور تکبر بدترین گناہ ہیں اور یہی وہ مرض تھے جن کی وجہ سے عزازیل (شیطان) راندۂ درگاہ ہوا۔ وہ مقربین بارگاہ میں سے تھا اور اسے اللہ کا بہت قرب حاصل تھا۔ جنوں اور ملائکہ میں واضح فرق موجود ہے کہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ سے‘ جبکہ انسان کو آب وگل یعنی پانی اور مٹی کے ملغوبے اور گارے سے پیدا کیا گیا ہے۔ پانی اور مٹی کا ملغوبہ کثیف شے ہے‘ جبکہ اس کے مقابلے میں نور بھی لطیف ہے اور نار بھی لطیف ہے۔ نور اور نار میں مماثلت کی وجہ سے جنّات اور فرشتوں میں ایک طرح کا قرب ہے۔ چنانچہ عزازیل نامی جن اپنی عبادت اور علم کی وجہ سے اتنا آگے بڑھا کہ فرشتوں کی صف میں شامل ہوگیا۔ لیکن اُس نے حسد اور تکبر میں آ کر مار کھائی ہے کہ آدم کو خلافت کا یہ مقام کیوں دے دیا گیا‘ حالانکہ یہ تو میرا حق تھا‘ اس لیے کہ میں اس سے بہتر ہوں: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۱۲﴾ (الاعراف) ’’میں اس سے بہتر ہوں‘ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے (تو میں اسے کیسے سجدہ کروں)‘‘۔ الغرض حسد اور تکبر نے اسے کہاں سے کہاں لا گرایا کہ یہ اسفل السافلین میں جا گرا۔

یہی حسد وتکبر کا معاملہ تھا جس کی وجہ سے یہودی بحیثیت مجموعی حضور ﷺ پر ایمان لانے سے محروم رہے۔ صرف چند یہودی آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن سلام ؓ بھی تھے‘ جو ایک بہت بڑے یہودی عالم تھے۔ لیکن اکثر یہودی ایمان نہیں لائے تھے‘ حالانکہ وہ آپ ﷺ کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۴۶) ’’وہ ان (رسول اللہ ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں‘‘۔ لیکن ایمان نہ لانے کی اصل وجہ وہی حسد اور تکبر ہے کہ یہ نبوت تو ہماری جاگیر تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ تقریباً دو ہزار برس تک

نبوت انہی میں رہی ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ چلا ہے‘ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں تو نبوت تھی ہی نہیں۔ ان کی نسل سے تو بس آخری نبی حضرت محمد ﷺ آئے ہیں‘ جبکہ دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام نبی ہیں‘ ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نبی ہیں‘ پھر ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام نبی ہیں‘ پھر کچھ عرصے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام نبی ہیں۔ اس کے بعد چودہ سو برس تک ان میں نبوت کا تار ٹوٹا ہی نہیں اور ان میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نبی موجود رہا ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ)) ’’بنی اسرائیل کے سیاسی راہنما انبیاءؑ ہوا کرتے تھے‘‘۔ یعنی سیاسی معاملات‘ حکومتی معاملات‘ انتظامی معاملات‘ سب کے سب انبیاء کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ ((كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ))(۱) ’’جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تھا تو کوئی اور نبی اس کی جگہ آ جاتا تھا‘‘۔

اس صورتِ حال میں انہوں نے یہ سمجھا کہ نبوت ہماری جاگیر بن گئی ہے۔ چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ نبوت ان اُمّیین میں کیسے چلی گئی۔ یہ تو اَن پڑھ لوگ ہیں‘ جن کے پاس نہ کوئی شریعت ہے‘ نہ کوئی کتاب ہے۔ یہود تو بنی اسماعیل کو کمتر سمجھتے تھے اور اَن پڑھ اور جاہل گردانتے تھے‘ لہٰذا وہ اسی حسد میں ماننے کو تیار نہیں تھے۔ پھر ان میں تکبر بھی تھا اور وہ کہا کرتے تھے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ ’’ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں‘‘۔ چنانچہ حسد اور تکبر نے انہیں اس مقام تک پہنچا دیا کہ اب اللہ تعالیٰ کی مغضوب ترین قوم یہود ہے۔ اگرچہ اس وقت اللہ نے انہیں عیسائیوں کے ہاتھوں کچھ سہارا دلوایا ہے۔ اس ضمن میں بڑی تلخ بات کہہ رہا ہوں کہ اس وقت یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ اسی لیے ہے تاکہ امتِ مسلمہ (خاص طور پر اس کے نیوکلیس عالمِ عرب) کو ان کے ہاتھوں سزا اور عذاب دلوایا جائے۔ اس حوالے سے میری ایک کتاب

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب احادیث الانبیاء‘ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔

موجود ہے: ’’سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل‘‘۔ سابقہ اُمتِ مسلمہ بنی اسرائیل ہے جنہیں ہٹا کر اس امت (اُمتِ محمدیؐ) کو اُمتِ مسلمہ کا مقام دیا گیا۔ اسی بنا پر وہ حسد اور تکبر کی آگ میں جل گئے‘ لیکن وہ ابھی موجود ہیں‘ ختم تو نہیں ہوئے۔

بہرحال زیر مطالعہ حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ اس ضمن میں اس کی وضاحت ہو جانی چاہیے کہ حسد کے مقابلے میں ایک چیز رشک ہے اور وہ جائز ہے۔ آپ دیکھیں کہ کسی میں بڑی خوبی ہے تو آپ دعا کریں کہ اے اللہ! جیسے تو نے اس شخص کو خوبی عطا کی ہے‘ اسی طرح یہ خوبی مجھے بھی عطا کر دے! تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کسی کو کوئی فضل حاصل ہوا‘ علم حاصل ہوا یا اسے تقویٰ زیادہ ملا ہے تو اللہ سے دعا کرنا کہ مجھے بھی اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے دے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لیکن دل میں یہ آرزو رکھنا کہ یہ خوبی اس سے سلب کر لی جائے اور مجھے دے دی جائے تو یہ حرامِ مطلق ہے اور اسی کا نام حسد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بولی پر بولی دینے کی ممانعت

زیر مطالعہ حدیث میں دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی: ((وَلَا تَنَاجَشُوْا)) ’’اور ایک دوسرے کی بولی پر بولی مت دیا کرو‘‘۔ کوئی نیلامی ہو رہی ہے اور آپ بالفعل خریدار نہیں ہیں‘ لیکن خواہ مخواہ آپ نے بولی دے دی تو یہ جائز نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل جب کسی چیز کی نیلامی (auction) ہوتی ہے تو نیلامی کرنے والوں کی طرف سے کچھ لوگ مجمع میں زیادہ قیمت بولنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب بولی شروع ہوتی ہے اور اصل خریداروں میں سے کوئی بولی لگاتا ہے تو نیلامی کرنے والوں کا کارندہ اس سے زیادہ بولی دے دیتا ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسرا اس سے زیادہ بولی دے گا تو پھر ان کا کوئی دوسرا کارکن اس سے اوپر بولی دے دے گا۔ اس طرح اس چیز کی قیمت بڑھتی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ یہ بہت غلط بات ہے کہ آپ بالفعل خریدار ہی نہیں ہیں اور بولی دیتے جا رہے ہیں۔ البتہ اگر آپ حقیقتاً خریدار ہیں تو آپ بولی دے سکتے ہیں‘ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک دوسرے سے بغض رکھنے اور پیٹھ پھیرنے کی ممانعت

زیر مطالعہ روایت میں تیسری بات رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی: ((وَلَا تَبَاغَضُوْا)) ’’اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو‘‘۔ دیکھئے‘ ہوتا یہ ہے کہ لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں۔ ایک کاروبار میں دو لوگ شریک ہیں اور ایک شریک دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے‘ یا ایک بھائی دوسرے بھائی پر زیادتی کر رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی آیا ہے: ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ......﴾ (صٓ: ۲۴) ’’اور یقیناً مشترک معاملہ رکھنے والوں میں سے اکثر ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں‘‘۔ لیکن جب بھی ایسا ہو تو اسی وقت اس معاملے کی اصلاح اور تصفیہ ضروری ہے۔ یہ اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری لگائی ہے کہ جب مسلمانوں میں کوئی جھگڑا یا زیادتی کا معاملہ ہو تو ان میں صلح کرا دیا کرو۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (آیت ۱۰) ’’مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں‘ پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کرا دیا کرو‘‘۔ جب معاملہ ختم ہو جائے تو پھر دل میں اس کی میل بھی باقی نہیں رہنی چاہیے۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ شعوری طور پر اس زیادتی کو معاف کر دیں اور کہیں کہ اے اللہ! اس نے مجھ پر زیادتی کی تھی تو میں نے اسے معاف کیا‘ پس تو بھی اسے معاف فرما دے۔ اب یہ معاف کرنا سچے دل سے ہونا چاہیے اور پھر کوئی کدورت دل میں نہیں رہنی چاہیے۔ سورۃ الحشر میں آیا ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (آیت ۱۰) ’’(اے اللہ!) ہمارے دلوں میں کسی صاحبِ ایمان کے لیے کوئی کدورت پیدا نہ ہونے دینا‘‘۔ اکٹھے رہتے ہوئے زیادتی ہو جاتی ہے اور کچھ نہ کچھ معاملہ ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل صف آرا ہوئے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں باہم کدورت پیدا نہ ہوئی ہو۔ لیکن ان دونوں حضرات کی تدفین سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے کہا تھا: مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ

غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴿۴۷﴾ ’’اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہو گی‘ پھر وہ بھائی بھائی (بن کر بیٹھے) ہوں گے تختوں پر آمنے سامنے۔‘‘ بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ: ’’مجھے امید ہے کہ میں‘ طلحہ‘ زبیر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے......‘‘

رسول اللہ ﷺ نے اگلی بات یہ فرمائی: ((وَلَا تَدَابَرُوْا)) ’’اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ موڑو‘‘۔ جب کسی کے ساتھ آپ کی دوستی اور تعلق ہوتا ہے تو آپ رُو در رُو ہو کر بات کرتے ہیں اور جب کسی سے آپ کی دشمنی ہے‘ کوئی بغض ہے اور وہ آ رہا ہے تو آپ اس سے پیٹھ موڑ لیں گے۔ چنانچہ سورۃ الحجر کی درج بالا آیت میں فرمایا گیا ہے جب اہلِ ایمان کے دلوں سے غل اور کدورت نکل جائے گی تو جنت میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ چنانچہ یہاں رسول اللہ ﷺ نے چوتھی بات یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو پیٹھ مت دکھاؤ۔

بیع پر بیع (سودے پر سودا) کرنے کی ممانعت

اگلی بات رسول اللہ ﷺ نے زیر مطالعہ حدیث میں یہ فرمائی: ((وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ)) ’’اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے‘‘۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک شخص کوئی چیز خرید رہا ہے اور آپ آگے بڑھ کر اس سے زیادہ قیمت لگا دیتے ہیں تو یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے۔ آپ انتظار کریں‘ اگر ان کا سودا ہو جائے تو ٹھیک ہے اور اگر ان کی بات نہیں بنتی تو پھر آپ سودا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر کہیں کسی کے رشتے کی بات چل رہی ہو تو وہاں آپ رشتے کی بات نہ کریں جب تک کہ ان کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ وہ رشتہ ہو گیا تو آپ کی زبان پر یہ دعا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس رشتے میں برکت ڈالے۔ اہلِ ایمان کے لیے آپ کے جذبات یہی ہونے چاہئیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ان کا رشتہ نہیں ہوتا تب آپ رشتے کا سوال کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں باتوں کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ‘ فَلَا یَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَبْتَاعَ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْهِ وَلَا یَخْطُبَ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَذَرَ)) (۱)

’’ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے‘ پس اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ ہی یہ کہ وہ اس کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغامِ نکاح بھیجے‘ حتیٰ کہ وہ دست بردار ہو جائے۔‘‘

اللہ کے بندو‘ باہم بھائی بھائی بن کے رہو!

زیر مطالعہ حدیث میں چار منفی باتوں کو بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پانچویں بات یہ فرمائی: ((وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا)) ’’اور اللہ کے بندو‘ آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ!‘‘ اللہ کے بندے بن کر سب برابر ہو گئے تو اب کوئی حاکم نہیں رہا‘ کوئی محکوم نہیں رہا۔ جب ایران کا سفیر مدینہ منورہ آیا تو اِدھر اُدھر پھرا اور اسے کہیں کوئی محل نظر نہیں آیا تو اس نے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ اسے جواب ملا کہ ہمارے ہاں بادشاہ نہیں ہوتا‘ بلکہ ہمارا ایک امیر ہوتا ہے۔ اس نے پوچھا تو وہ امیر کہاں ہے‘ مجھے تو یہاں ان کا کوئی محل نظر نہیں آیا۔ اسے بتایا گیا کہ ہمارے بیت المال کے کچھ اونٹ گم ہو گئے تھے‘ لوگوں نے بہت تلاش کیے‘ لیکن وہ نہیں ملے تو ہمارے امیر ان اونٹوں کی تلاش میں صحرا کی طرف گئے ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ اُس نے کسی شخص کو ساتھ لیا ہو گا تاکہ وہ امیر کو پہچان تو سکے اور صحرا کی طرف آپؓ کو ڈھونڈنے نکلا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اونٹ تلاش کر کے تھک گئے تھے اور اونٹ کہیں نہیں ملے تھے۔ دوپہر ہو گئی تھی اور دھوپ کی تمازت بھی تیز تھی۔ ایران کے سفیر نے آپؓ کو اس حال میں پایا کہ آپؓ ایک درخت کے سائے میں اپنے کوڑے کا تکیہ بنا کر لیٹے ہوئے ہیں‘ نہ کوئی گارڈ ہے‘ نہ کوئی محافظ ہے۔ تو اُس نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر یہ تاریخی بات کہی: اے عمر! تم انصاف کرتے ہو‘ لہٰذا تمہیں کوئی خوف نہیں‘ جبکہ ہمارے بادشاہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں اور ان کا خون چوستے ہیں تو انہیں ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی بغاوت نہ ہو جائے‘ کہیں کچھ اور نہ ہو

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب النکاح‘ باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه حتی یاذن او یترک۔

جائے‘ لہٰذا انہیں گارڈز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنے محل کی فصیل بھی اونچی سے اونچی رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی زیر مطالعہ حدیث میں فرمایا کہ سب کے سب اول تو اللہ کے بندے بن جاؤ اور پھر آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو!

مسلمان پر ظلم کرنے اور اسے اکیلا چھوڑنے کی ممانعت

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ)) ’’ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے‘‘۔ یہاں مؤمن سے نیچے اتر کر مسلمان کی بات ہو رہی ہے۔ ایمان کا درجہ تو بہت اونچا ہے اور اس سے نچلا درجہ اسلام کا ہے‘ تو اس بارے میں بھی فرمایا کہ سب مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جب بھائی ہیں تو ان پر چند ایک ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ: ((لَا یَظْلِمُهٗ)) ’’نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے‘‘۔ وہ آپ کا بھائی ہے تو ظلم کیسے کرے گا؟ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ: ((وَلَا یَخْذُلُهٗ)) ’’اور نہ کبھی اس کو (بے یار و مددگار) چھوڑتا ہے‘‘۔ یعنی کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ کہیں اس پر زیادتی ہو رہی ہو تو اس کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی حمایت اور مدد کرتا ہے۔ وہ اپنی جان بچا کر اس کو چھوڑ کر علیحدہ نہیں ہو جاتا کہ مجھے کیا ہے‘ اپنا معاملہ خود نبٹائیں۔ میں کسی ایک کی بات کروں گا تو دوسرا خواہ مخواہ میرا دشمن ہو جائے گا۔ یہ بے حسی اور بے اعتنائی (indifference) ہمارے معاشرے میں بہت عام ہو گئی ہے۔ دو بھائیوں میں جھگڑا ہے اور سگے بھائی بھی کسی کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتے‘ حالانکہ قرآن میں فرمایا گیا کہ تم پر لازم ہے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ۔ جھگڑا تو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے‘ لہٰذا تم فاصلے پر کھڑے ہو کر تماشا نہ دیکھو بلکہ ان کے درمیان صلح کراؤ۔ یہ تمہارا اخلاقی فرض ہے۔

مسلمان کی تحقیر کرنے کی ممانعت

ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر تیسری ذمہ داری یہ ہے: ((وَلَا یَحْقِرُهٗ)) ’’اور اسے حقیر نہیں سمجھتا‘‘۔ اب حقیر سمجھنے کی بہت سی بنیادیں ہوتی ہیں۔ کوئی غریب ہے اور آپ امیر ہیں تو آپ اس کو اس کی غربت کی وجہ سے حقیر سمجھ رہے ہیں۔ یا آپ عالم

ہیں اور وہ بے چارہ ناخواندہ ہے‘ پڑھا ہوا نہیں ہے تو آپ اپنے علم کی وجہ سے اپنے آپ کو اعلیٰ اور اسے کمتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت آپ سے زیادہ ہو‘ تو سوچیے کہ اللہ کے ہاں اس کا کیا مقام ہو گا۔ آپ کو اگر اپنے علم کے اوپر غرہ ہو گیا‘ زعم ہو گیا تو آپ کا سب کیا دھرا زیرو ہو جائے گا۔ اگر آپ میں تکبر آ گیا تو سارا علم‘ سارا فضل‘ سارا تقویٰ‘ ساری نیکی زیرو سے ضرب کھا کر زیرو ہو جائے گی۔ ریاضی کا قاعدہ ہے کہ بڑی سے بڑی رقم بھی صفر سے ضرب کھاتی ہے تو وہ صفر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنی نیکی‘ تقویٰ اور علم کی بنا پر کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اور ہمیشہ اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔ آج تو آپ دین پر ہیں اور صحیح راستے پر چل رہے ہیں‘ لیکن کل آپ کے ساتھ کیا ہو گا یہ کسی کو معلوم نہیں۔ کیا پتا کسی گندگی کے گڑھے میں پاؤں پڑ جائے اور پھر شیطان آپ کو اپنے پیچھے لگا کر کہاں سے کہاں پہنچا دے۔ اور کیا پتا اللہ کل اسے ہدایت دے دے اور سیدھے راستے پر چل کر وہ سرخرو ہو جائے۔

ایک حدیث کے حوالے سے ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ ایک آدمی گناہ کرتا رہتا ہے‘ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے‘ پھر اچانک اس میں تبدیلی آتی ہے اور اللہ اسے ایمان کی دولت سے نواز دیتا ہے۔ ایمان حاصل ہونے کے بعد وہ نیک اعمال کرتا ہے اور پھر اسی حالت میں اس کو موت آ جاتی ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک شخص نیکی کرتا رہتا ہے‘ یہاں تک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے‘ پھر کوئی بپتا ایسی پڑتی ہے کہ اس کا ایمان زائل ہو جاتا ہے اور وہ گندگیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی حالت میں اسے موت آتی ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ایک صاحبِ کرامت بزرگ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾﴾

''اور سنائیے انھیں خبر اُس شخص کی جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں تو وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔''

اس واقعے کی تفصیل ہمیں تورات میں بھی ملتی ہے‘ جس کے مطابق یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کا نام بلعم بن باعوراء تھا اور یہ ایک بہت بڑا عابد‘ زاہد اور عالم تھا۔ لیکن یہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر اس مقام سے جو گرا تو پھر اسفل سافلین میں جا پہنچا۔ اسی طرح کیا پتا جو ہمیں بے عمل نظر آ رہا ہے اس کو اللہ ہدایت دے اور آپ کو آپ کے تکبر اور مسلمان بھائی کو حقیر جاننے کی وجہ سے بھٹکا دے۔ لہٰذا اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ استقامت کی دعا کیا کریں کہ اے اللہ! ہدایت تو تو نے دے دی ہے‘ اب ہمیں استقامت بھی نصیب فرما دے۔ آمین!

تقویٰ ظاہر کا نہیں‘ دل کا ہوتا ہے!

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) ''حضور ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے‘ تقویٰ یہاں ہے‘ تقویٰ یہاں ہے'' —— ہمارے ذہنوں میں متقی شخص کا ایک خاص تصور ہوتا ہے کہ اس کا ایک خاص لباس ہے‘ خاص وضع قطع ہے‘ داڑھی بھی لمبی ہے‘ عمامہ بھی پہنا ہوا ہے‘ شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہے‘ تہبند ہے تو نصف ساق پر ہے‘ وغیرہ۔ ایسے شخص کو ہم متقی سمجھتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اصل تقویٰ یہاں دل میں ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی کے اندر ان چیزوں پر ریاکاری موجود ہو اور یہ ساری پسندیدہ چیزیں زیرو سے ضرب کھا کر زیرو ہو جائیں‘ بلکہ ریاکاری کو تو آپ ﷺ نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے:

((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ‘ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ‘ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ))(۱)

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا‘ اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا تو اس نے بھی شرک کیا‘ اور جس نے دکھاوے کے

(۱) مسند احمد‘ کتاب مسند الشامیین‘ باب حدیث شداد بن اوس ؓ۔

لیے خیرات دی اس نے بھی شرک کیا۔''

اس اعتبار سے تقویٰ ظاہری وضع قطع کا نام نہیں ہے‘ بلکہ تقویٰ دل کے اندر ہوتا ہے۔ یہی مضمون سورۃ البقرۃ کی آیت البر میں بھی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ﴾

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو‘ بلکہ اصل نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر‘ یومِ آخرت پر‘ فرشتوں پر‘ کتاب پر اور نبیوں پر۔''

جب تک آپ کو اپنے کسی نیک عمل کا صلہ صرف اللہ سے درکار نہیں ہے آپ کا وہ عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے۔ اگر آپ کو اس عمل کے بدلے دنیا میں کچھ مطلوب ہے تو پھر آپ کی وہ نیکی زیرو ہو جائے گی‘ مثلاً آپ کو اس عمل سے شہرت‘ عزت یا دولت مطلوب ہے تو وہ عمل انجام اور ثواب کے حوالے سے صفر ہو جائے گا۔

اللہ کی رضا اور آخرت کی جزا‘ یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ‘ یہ نیت کی دو بنیادیں ہیں۔ اور پھر اس کی عملی شکل کیا ہے‘ یہ ایمان بالرسالت سے معلوم ہوگی۔ نیکی کا کامل عملی ہیولہ اور اور مجسمۂ نیکی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں‘ لہٰذا ان کی سیرت میں دیکھو کہ کس چیز کا کتنا تناسب مطلوب ہے۔ نیکیوں میں بھی تناسب ہونا چاہیے‘ اگر ایک نیکی حد سے آگے بڑھ گئی ہے تو وہ بھی کہیں نہ کہیں بدی میں شامل ہو جائے گی۔ آپ روزے رکھتے جا رہے ہیں‘ رکھتے جا رہے ہیں تو آپ کا یہ طرزِ عمل نیکی کی حدود سے نکل جائے گا‘ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر روز روزہ رکھنے سے روک دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: ((مَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ))(۱) ''جو شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو اس کا کوئی روزہ نہیں ہے''۔ اس کی بڑی معقول وجہ ہے۔ آپ اگر روزانہ روزہ رکھتے ہیں تو گویا آپ نے کھانے کے اوقات بدل دیے اور اب آپ کو دن میں بھوک لگے گی ہی نہیں۔

(۱) سنن النسائی‘ کتاب الصیام‘ باب الصوم عشرۃ ایام من الشھر......

آپ کا نفس بھی اس بات کا عادی ہو جائے گا کہ مجھے تو سحری اور شام کے وقت میں ہی کھانے پینے کو ملے گا تو اس کے اندر طلب ہی نہیں ہوگی‘ اس لیے کہ وہ تو آپ کی عادت بن گئی ہے۔ پھر اس میں صبر اور بھوک پیاس سے رکنے والی کوئی بات نہیں رہے گی۔ شاہ ولی اللہ ؒ نے بھی لکھا ہے کہ عبادات کی آفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی عمل عادت بن جائے اور جب عادت بن جائے تو پھر اس کا وہ اجر و ثواب نہیں رہا۔ یہ ایک علیحدہ سبق ہے جو میں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھا۔

مسلمان کے جان‘ مال اور عزت و آبرو کی حرمت

آگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ)) ’’کسی انسان کے شریر ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے‘‘۔ یہ مفہوم ((وَلَا یَحْقِرُہٗ)) کے اندر پہلے آ گیا تھا‘ لیکن اس بات کے اندر مزید زور (emphasis) دینے کے لیے اس کو پھر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کسی شخص کے شریر ہونے کے لیے اور اس کو برا بنا دینے کے لیے صرف ایک بات کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

روایت کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ ، دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ)) ’’مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے‘ اس کا خون بھی‘ اس کا مال بھی اور اس کی عزت و آبرو بھی‘‘۔ ہر مسلمان کی جان‘ عزت اور مال دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے‘ اس میں کسی قسم کی کوئی ڈنڈی نہ ماری جائے اور ان میں کوئی حق تلفی نہ کی جائے۔

حریت‘ مساوات اور اخوت: اسلامی معاشرت کی بنیادیں

یوں سمجھئے کہ یہ حدیث حسن معاشرت کے اصول‘ اخلاقیات کی تعلیم اور مسلمانوں میں باہمی مواخات کے حوالے سے نہایت جامع ہے۔ آج دنیا میں معاشرت کے لیے تین بنیادی اصول مانے جا رہے ہیں: مساوات (Equality)‘ آزادی (Freedom)‘ اور

اخوت (Fraternity)۔ ایچ جی ویلز نے حضور ﷺ کے بارے میں انہی تین چیزوں کا اقرار کیا ہے‘ حالانکہ وہ شاتم رسول ہے اور اس نے حضور ﷺ کی زندگی پر بہت شدید اور رکیک حملے کیے ہیں۔ اس کی انسانی تاریخ پر دو کتابیں ہیں: A Short Histor yof the World یہ ذرا مختصر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک ذرا ضخیم کتاب ہے: A Concise History of the World۔ اس دوسری کتاب میں ایک باب حضور ﷺ کے بارے میں ہے اور اس میں اُس نے حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں بڑا گستاخانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ لیکن آخری حصے میں جہاں اس نے خطبہ حجۃ الوداع کے اقتباسات پیش کیے ہیں وہاں وہ حضور ﷺ کو خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی)) (۱)

((اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ)) (۲)

’’لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں! اسی طرح کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں! کسی سرخ و سفید رنگ والے شخص کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اسی طرح کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں! فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے...... تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔‘‘

سورۃ الحجرات میں بھی یہی مضمون تفصیل سے بیان ہوا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۭ﴾ (الحجرات:۱۳)

’’اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اور

(۱) مسند احمد‘ ح ۲۲۹۷۸۔

(۲) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب فی فضل الشام والیمن۔

جان لو کہ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کی شکلیں ہی مختلف بنائی ہیں کہ دیکھتے ہی سمجھ جاؤ کہ یہ جاپانی چلا آ رہا ہے‘ یہ چینی ہے‘ یہ افغانی ہے‘ یہ پاکستانی اور یہ ہندوستانی ہے۔ یہ ساری تقسیم پہچان اور تعارف کے لیے ہے‘ جبکہ تخلیق کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔

بہرحال جی ایچ ویلز خطبہ حجۃ الوداع کے مندرجہ بالا جملوں کا حوالہ دے کر کہتا ہے:

> *"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before. We find a lot of these sermons in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Mohammad who for the first time in history established a society based on these principles."*

> ’’اگرچہ انسانی حریت‘ مساوات اور اخوت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں مسیح ناصری (حضرت مسیحؑ کی جائے ولادت ناصرہ گاؤں تھا‘ اس لیے آپؑ مسیح ناصری کہلاتے ہیں) کے ہاں بھی بہت سے مواعظ حسنہ ملتے ہیں‘ لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ صرف محمد عربی (ﷺ) ہی تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ بالفعل ایک باضابطہ معاشرہ انہی اصولوں پر قائم کر کے دکھایا۔‘‘

اس ضمن میں یہ نوٹ کر لیجیے کہ بدقسمتی سے‘ جب کتابوں کے نئے ایڈیشن آتے ہیں تو ایڈیٹنگ از سرنو کر دی جاتی ہے۔ اس کتاب کے ساتھ بھی یہی ہوا اور اس کتاب کے نئے ایڈیشن سے یہ جملے نکال دیے گئے ہیں‘ کیونکہ بحیثیت عیسائی اُن کے حلق سے یہ جملے اتر نہیں رہے تھے۔ آپ اگر کسی لائبریری سے اس کتاب کا پرانا ایڈیشن حاصل کر سکیں تو اس میں آپ کو یہ جملے مل جائیں گے۔

اسلام اور امریکہ کے تصورِ مساوات میں فرق

قائداعظم محمد علی جناح نے بھی قیامِ پاکستان کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے انہی تین بنیادوں کا ذکر کیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش

کر سکیں۔ مساوات کا ایک تصور امریکہ میں بھی ہے کہ مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔ اسلام کا تصورِ مساوات یہ نہیں ہے۔ مرد اور عورت بحیثیت انسان اور انسانی وقار (human dignity) کے حوالے سے دونوں برابر ہیں‘ لیکن مرد جب شوہر ہو گیا اور عورت بیوی تو اب وہ برابر نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بیٹی کا حق اور بیٹے کا حق وراثت میں برابر نہیں ہے‘ اس لیے کہ بیٹے نے شادی کرنے کے لیے مہر دینا ہے اور بیٹی کو شادی میں مہر ملنا ہے۔ اسی طرح بیٹے نے کنبے کی کفالت کرنی ہے‘ جبکہ بیٹی تو اپنے شوہر کی ذمہ داری (liability) ہو گی۔ ساری معاشی ذمہ داری مرد پر ہے‘ عورت پر تو معاش کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا امریکہ میں مرد و عورت کے درمیان جو مساواتی تصور ہے‘ اس کے بارے میں‘ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ مساوات نہیں ہے‘ بلکہ یہ توظلم ہے۔ اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ کوئی وزنی چیزیں آپ نے کہیں لے کر جانی ہیں اور آپ ایک بچے اور ایک جوان کے سر کے اوپر برابر وزن ڈال دیں گے تو یہ انصاف نہیں ہو گا‘ بلکہ یہاں برابری غلط ہو جائے گی۔ چنانچہ عجیب بات ہے کہ قرآن نے انصاف کا لفظ استعمال ہی نہیں کیا۔ انصاف عربی کا لفظ ہے‘ یعنی نصف نصف کر دینا‘ آدھا آدھا کر دینا۔ یہ لفظ نہ تو قرآن میں آیا ہے اور نہ احادیث میں آیا ہے‘ جسے ہم سب سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں عدل اور قسط کے الفاظ آئے ہیں۔ ترازو کا ایک بازو اگر چھوٹا ہے اور دوسرا بڑا ہے تو چھوٹے والے میں دوسرے کی نسبتاً آپ زیادہ وزن ڈالیں گے تو وہ ترازو سیدھی رہے گی۔ اگر مرد کے برابر عورت پر وزن ڈال دیں گے تو اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہو گا۔ چنانچہ آج مظلوم ترین عورت آپ کو امریکہ میں نظر آئے گی۔ بہرحال اس وقت یہ میرا موضوع نہیں۔

مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیادیں: احادیث کی روشنی میں

اب میں چاہتا ہوں کہ اسلامی معاشرت کے اصول اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی بنیادوں کے حوالے سے چند ایک احادیث آپ کو سنا دوں۔ پہلی حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی ایک متفق علیہ روایت ہے‘ جس میں رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا :((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ))(۱)'' مؤمن (دوسرے) مؤمن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت دیتا ہے۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں میں پنجہ ڈال کر بتلایا''۔ دیواروں میں اینٹیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں اس طرح وہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔ دیوار اگر اکیلی ہے' اس کے ساتھ کوئی دیوار نہیں ہے تو اس کو اس طرف سہارا دینا پڑ جائے گا۔ لیکن اگر چاروں طرف سے دیواریں آپس میں جڑی ہوئی ہیں تو یہ ایک دوسرے کے لیے سہارا ہیں۔ پھر یہ دیواریں چھت کو سہارا دے رہی ہیں۔ اسی طریقے سے اہل ایمان خواہ مختلف علاقوں اور قبائل سے تعلق رکھتے ہوں' لیکن وہ ایسے ہی ہیں جیسے ایک عمارت۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔

دوسری حدیث بھی متفق علیہ روایت ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))(۲)

'' مؤمن بندوں کی مثال ان کی آپس میں محبت' اتحاد اور شفقت میں جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے اعضاء میں سے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو نیند نہیں آتی اور وہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث اور بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنِ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ))(۳)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتعاضدھم۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمۃ الناس والبھائم۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتعاضدھم۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتعاضدھم۔

'' مسلمان بندے ایک فردِ واحد کی طرح ہیں' اگر آدمی کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم دکھنے لگ جاتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کے سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔''

ایک دوسرے سے مودت اور ایک دوسرے پر رحم کرنے کے حوالے سے اس سے جامع کوئی مثال ممکن نہیں ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہے' مثلاً آنکھ میں چبھن ہو رہی ہے' تو باقی جسم یہ نہیں کہے گا کہ آنکھ کو رہنے دو' میں تو سوؤں گا' بلکہ ایک آنکھ نہیں' سارا جسم جاگتا ہے۔ اسی طرح بخار ہوتا ہے تو پورے جسم کو ہوتا ہے۔ کسی ایک عضو کی انفیکشن کی وجہ سے سارا جسم بخار میں مبتلا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اہلِ ایمان کا ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ جسم کی مانند ہے کہ ایک کو تکلیف ہوگی تو دوسرا بھی اس تکلیف کو محسوس کرے گا۔

تیسری حدیث بھی متفق علیہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۱)

'' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرے (کہ وہ اس پر ظلم کرے)۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان سے اس کی مصیبت کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اس سے دور کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی ستر پوشی کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔''

یعنی جو شخص اپنے کسی مؤمن بھائی کی کسی تکلیف یا دکھ درد کو اس دنیا کے اندر رفع کرتا ہے

(۱) صحیح البخاری' کتاب المظالم' باب لا یظلم المسلم المسلم ولایسلمه۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب تحریم الظلم۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے آخرت کے دکھوں میں سے کمی کر دیتا ہے۔ آپ پر سختی آئی ہے اور کسی نے آپ کی مدد کی ہے تو اللہ عزوجل اس کی مدد کرے گا اور قیامت کی سختیوں میں سے اگر وہ کسی سختی کا حق دار بنا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچا لے گا۔

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا)) کا لفظی ترجمہ ہو گا: ''جس نے کسی مسلمان کو لباس پہنایا۔'' اور مسلمان کو لباس پہنانے (ستر پوشی) کے دو مفہوم ہیں: (۱) اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب کو چھپانا' اور (۲) کسی کے پاس جسم چھپانے کے لیے لباس نہیں تو اسے لباس دے دینا۔ جو بھی یہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو بھی لوگوں سے چھپائے گا اور قیامت کے دن اسے لباس بھی عطا فرمائے گا۔

آخری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟ قَالَ: ((تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ))(۱)

''اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو''۔ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں مظلوم کی مدد تو کرتا ہوں' فرمائیے کہ ظالم کی مدد کس طرح کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''تو اسے ظلم کرنے سے روک دے' یہی اس کی مدد ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی معاشرت کے اصولوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی بنیادوں کو صحیح معنوں میں اپنانے اور ان کے مطابق ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کی توفیق عطا فرمائے' جہاں حریت' اخوت اور مساوات کا دور دورہ ہو۔ آمین یا ربّ العالمین!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ oo

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات)

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاکراہ' باب یمین الرجل لصاحبہ انہ اخوہ اذا خاف علیہ القتل۔

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۳)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

آٹھواں اصول:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾

’’اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔‘‘

یہ قرآنِ کریم کے عظیم اصولوں میں سے ایک اصول ہے جو بہت ہی عظیم بنیاد فراہم کرتا ہے‘ اور وہ ہے انصاف کی بنیاد۔ عدل وانصاف قائم کرنے میں اس کے عظیم فائدے کی وجہ سے علماء وحکماء نے اس کو ہمیشہ سے استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾ (الزمر:۷)

’’اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔‘‘

اس اصول کا خلاصہ: یہ ہے کہ تمام عاقل وبالغ ذمہ دار اپنے اعمال کا خود ہی بدلہ پائیں گے۔ اچھے اعمال ہوں گے تو اچھا نتیجہ ہوگا اور برے اعمال ہوں گے تو برا نتیجہ نکلے گا۔ اور یہ کہ کوئی کسی کی غلطی کا ذمہ دار نہیں‘ جب تک کہ وہ اس میں حصہ دار نہ بنا ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ عدل وحکمت کا مظہر ہے۔

اگر آپ تفسیر‘ حدیث‘ عقائد اور فقہ کی کتابوں میں علماء کے اقوال پر غور کریں تو بہت سارے مقامات پر کثرت کے ساتھ اس قاعدے کو استعمال ہوتا دیکھ کر آپ کو حیرت ہوگی —— اس آیت کی بنیاد پر اہلِ علم نے کتنی ہی آراء کا توڑ کیا ہے۔ عقائد کے باب میں کتنے ہی مسائل اس آیت کریمہ سے استدلال پکڑنے سے صحیح ہوئے ہیں۔ ان مسائل کو بیان کرنے کا یہ مقام نہیں‘ اصل مقصد یہ ہے کہ اس اصول کے مقام وحیثیت کی طرف توجہ مبذول کروادی جائے۔

جب ہم قرآنِ کریم میں اس قاعدے کی عملی مثالیں تلاش کرتے ہیں تو سب سے زیادہ مشہور اور واضح مثال سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ جب آپؑ نے اپنے بھائی جناب بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا حیلہ کیا کہ پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا‘ تو آپؑ کے دوسرے بھائی فریاد کرتے ہوئے آئے‘ کہنے لگے:

﴿قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۷۸﴾ (یوسف)

’’انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں‘ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجئے‘ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔‘‘

سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے فرمایا:

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹﴾ (یوسف)

’’ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں‘ ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہوجائیں گے۔‘‘

دوسری طرف اس بات کا مقابلہ فرعون کے قول سے کر کے دیکھ لیں۔ جب اُس کے کاہنوں نے اُس سے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا‘ جس کے ہاتھوں تمہاری حکومت ختم ہوجائے گی‘ تو اُس نے یہ وحشیانہ حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کر دیا جائے‘ جبکہ ان لڑکوں کی تعداد ہزاروں میں تھی‘ اور یہ وحشیانہ حرکت صرف ایک لڑکے سے نجات پانے کے لیے تھی۔ لیکن جو انسان اپنے آپ کو ’’میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں‘‘ کہہ سکتا ہے اس سے اس قسم کا فیصلہ کچھ بعید بھی نہیں۔

لوگوں کے حالات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تو سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر چلتا ہے‘ جو صرف اُسی شخص کی گرفت کرتا ہے جس نے غلطی کی ہو یا غلطی میں حصہ دار بنا ہو‘ اور جس شخص کا غلطی سے کوئی تعلق نہ ہو‘ اسے رشتہ داری کے نام پر یا دوستی یا رفاقت کے نام پر ملامت نہیں کرتا‘ جب تک کہ اس کے برعکس حقیقت سامنے نہ آ جائے۔ دوسری طرف کچھ لوگ بے گناہ اور نیکی کرنے والوں کو بھی غلطی کرنے والوں کے گناہ میں دھر لیتے ہیں۔

ہمارے گھروں میں جو اکثر ہوتا رہتا ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ آدمی کام سے تھکا ماندہ گھر آتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے بچوں کی کارستانیاں نظر آتی ہیں‘ جو اُسے اچھی نہیں لگتیں۔ کہیں ڈیکوریشن پیس ٹوٹا ہوا ہے‘ کہیں شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ یا بیوی کی کوئی بات اچھی نہیں لگتی‘ مثلاً کھانا پکانے میں دیر ہوگئی یا نمک میں کمی بیشی ہوگئی یا کوئی اور ایسا کام ہوگیا جس کی وجہ سے کسی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔ مان لیا کہ ان کاموں سے غصہ آتا ہے‘ یا ایسی غلطی ہے جس پر توجہ دلانے یا ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اُن بچوں کا کیا قصور ہے جو غلطی میں حصہ دار نہیں تھے؟ یعنی انہوں نے ڈیکوریشن پیس نہیں توڑا یا کسی اور چیز کا نقصان نہیں کیا۔ اور اگر بیوی نے کھانا بنانے میں کوتاہی کی تو اس میں اِن بچوں کا کیا قصور کہ سارا غصہ اُن پر نکال دیا جائے؟ اور اسی طرح بیوی کا کیا قصور اگر غلطی بچوں نے کی تھی؟ یہی صورت استاد کی اپنے طلبہ کے ساتھ یا معلّمہ کی اپنی طالبات کے ساتھ ہوتی ہے‘ یا ادارے کے سربراہ کی اپنے ملازمین کے ساتھ ہوتی ہے۔ انہیں اپنی ذاتی مشکلات اپنے کام کی جگہ یا ادارے میں منتقل نہیں کرنی چاہئیں۔ نتیجتاً ان کے طلبہ یا طالبات یا ملازمین مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں‘ حالانکہ اُن کا اس معاملے کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ اس موقع پر مؤمن کو یہ باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے اس اصول کو یاد رکھے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ﴾ (الزمر:۷) ”اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا“۔ یہ اصول بہت ہی اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے بہترین ہے‘ عدل وانصاف کے بہت قریب ہے‘ اور یہ وہی عدل وانصاف کا اصول ہے جس پر کائنات کا نظام قائم ہے۔ واللہ اعلم!

نواں اصول:

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ﴾

”اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔“

یہ قرآنِ کریم کے اُن عظیم اصولوں میں سے ایک اصول ہے جو اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کے بارے میں عظیم قدرت‘ حکمت اور علم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ یہ آیتِ کریمہ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کے واقعے کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾﴾ (آل عمران)

”جب عمران کی بیوی نے کہا: ”اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے‘ اِسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی‘ تو میری طرف سے قبول فرما‘ یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے“۔ جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ: ”پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی ہے“۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے‘ اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں۔ ”میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“

واقعے کا خلاصہ: سیدنا عمران کی بیوی نے نذر مانی کہ ان کا آنے والا بچہ بیت المقدس کا خادم ہوگا۔ جب بچی کو جنم دیا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر بیان کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ﴾ (اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں) اس لیے کہ مرد کے پاس جو بیت المقدس کی خدمت کرنے اور اس کی ذمہ داریاں اُٹھانے کی طاقت ہے وہ عورت سے زیادہ ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بڑا کمزور بدن دے کر پیدا کیا ہے‘ اور جو حیض ونفاس جیسے حالات عورت پر آتے ہیں اُن کی وجہ سے اس میں مزید کمزوری آ جاتی ہے۔

قرآنِ کریم نے بہت سارے مقامات پر دونوں جنسوں (مرد اور عورت) کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (النساء:۳۴)

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

”ہاں مَردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ ہے کہ مرد عورت کی مانند نہیں ہے اور یہ اُس ذات کا فیصلہ ہے جو حکمتوں اور مصلحتوں کو سب سے زیادہ جانتی ہے۔ فرمایا:

﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾﴾ (الملک)

''کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ اور پھر وہ باریک بین اور باخبر بھی ہو!''

اس قاعدے کی بنا پر مرد وعورت کے بہت سارے شرعی احکام میں فرق آ جائے گا' اگرچہ بنیادی طور پر وہ دونوں برابر ہیں۔

مرد وعورت کے شرعی احکام میں فرق کی وجہ عورت کی جسمانی ساخت اور عقلی ونفسیاتی تخلیق کے فرق کو سامنے رکھنا ہے۔ نیز مرد وعورت میں اور بھی بہت سارے فرق ہوتے ہیں' جن کا عقل مند لوگ انکار نہیں کرتے اور نہ ہی کسی بھی دین کے انصاف پسند لوگ انکار کرتے ہیں۔ جو یہ سمجھے کہ مرد وعورت دونوں برابر ہیں اس نے قرآنِ کریم اور سنتِ مطہرہ کی بات کو باطل قرار دے دیا۔ قرآنِ کریم کے نظام پر غور کرنا ہو تو اسی اصول کو دیکھ لیں جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں' اور سنت سے راہنمائی لینی ہو تو رسولِ مکرم ﷺ کے اس فرمان پر غور کر لیں:

فَاِنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّھَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ (صحیح البخاری، ح ۵۸۸۵ بروایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما)

''یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے اُن مَردوں پر جو عورتوں جیسا حلیہ بناتے ہیں' اور اُن عورتوں پر جو مردوں جیسا حلیہ بناتی ہیں۔''

قابل غور بات یہ ہے اگر مرد وعورت دونوں برابر ہوتے تو یہ لعنت والی بات تو بالکل بے معنیٰ ہو جاتی۔

مرد وعورت کے شرعی مسائل میں جو فرق کیا گیا ہے اس کی حکمت پر ذرا غور کر لیں:

۱) وراثت میں فرق: اللہ تعالیٰ نے نظام یہ بنایا ہے کہ مرد ہی محنت کرے اور رزق کمانے میں مشقت برداشت کرے۔ حق مہر بھی وہی ادا کرے۔ اگر حالات کے تحت خون بہا دینا پڑے تو وہ بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ مرد کا مال ہمیشہ کم ہوتا رہتا ہے' جبکہ عورت کا معاملہ اس کے اُلٹ ہے' اس کا مال ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے' کیونکہ عورت کو حق مہر دیا جاتا ہے اور جہاں بھی رہے اس کا سرپرست (والد' بھائی' خاوند' یا بیٹا) اس پر خرچ کرتا ہے۔

۲) گواہی میں فرق: یہ بات آیتُ الدَّین (جس آیت میں قرض کے احکام ومسائل بیان ہوئے ہیں) میں آئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۲)

''اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو' پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں' جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو' تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔''

یہی بات رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے اس کا سبب عورت میں عقل کی کمی کو بیان فرمایا ہے۔

جو آدمی انصاف کے ساتھ اس معاملے پر غور کرے اس کو یہ فرق محسوس ہو جائے گا۔ اسی فرق کو بیان کرتے ہوئے الشیخ السید رشید رضاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''چونکہ عورت کی ذمہ داری میں مالی معاملات نہیں ہوتے ہیں اور نا ہی وہ اس قسم کے سودوں میں شریک ہوتی ہے لہٰذا اُس کی یادداشت اس معاملے میں کمزور ہوتی ہے' اور گھریلو معاملات چونکہ اس کی ذمہ داری کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے وہ یہاں نہیں بھولتی' بلکہ گھریلو معاملات میں تو اس کی یادداشت مرد سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت اس کی یادداشت اسی کام میں تیز ہوتی ہے جس کا وہ اہتمام کرتا ہے اور جس کام میں اس کی مصروفیت زیادہ ہوتی ہے۔ فی زمانہ اگر کچھ عورتیں مالی معاملات میں مصروف رہتی ہیں تو اس سے ہماری بات کی تردید نہیں ہو جاتی' ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے' جس پر قاعدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ عام طور پر حکم اکثریت کی بنیاد پر یا اصل پر لگایا جاتا ہے۔''

کسی کو یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ اس میں تو عورت کے مقام ومرتبہ کو گھٹایا گیا ہے۔ نہیں' بلکہ اس طرح تو عورت کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ کہیں وہ اپنی اصلی ذمہ داری یعنی بچوں کی تربیت اور گھر کی آبادکاری کو چھوڑ کر ان چھوٹے چھوٹے کاموں میں نہ اُلجھ جائے' جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں' یعنی تجارت یا مالی معاملات میں نہ پڑ جائے۔

ریسرچ سکالرز کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ حاملہ عورت کا دماغ سکڑ جاتا ہے' اور بچہ جننے کے کئی ماہ بعد اپنی اصلی حالت پر آتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی گواہی کا آدھا ہونا ہر جگہ نہیں ہوتا بلکہ بعض معاملات میں وہ مرد کے بالکل برابر ہے۔ مثلاً: آمدِ رمضان کے موقع پر (چاند دیکھنے) کی گواہی' بچے کو دودھ پلانے کی گواہی' نیز حیض' ولادت اور لعان جیسے احکام میں گواہی دینا۔ مرد وعورت کے درمیان

فرق کا فائدہ ہمیشہ مرد ہی کو نہیں ہوتا' بلکہ بہت سارے احکام میں اس فرق کا فائدہ عورت کو ہوتا ہے۔ دیکھئے جہاد عورت پر فرض نہیں ہے' اس لیے کہ اس کا جسم کمزور ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اَقدس کس قدر علم وحکمت والی ہے اور مخلوق کے حالات سے باخبر ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو مؤمن کو اس مروّجہ لفظ سے احتیاط کرنی چاہیے جو بہت سارے پڑھے لکھے اور لکھاری استعمال کرتے ہیں اور وہ ہے عورت کے موضوع پر ''مساوات'' کا لفظ۔ جس معنیٰ میں یہ لفظ مؤلفین استعمال کرتے ہیں اس معنیٰ میں قرآنِ کریم میں استعمال نہیں ہوا۔ اس موقع پر صحیح لفظ ''عدل'' کا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰)

''یقیناً اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''

یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ''مساوات'' کا حکم دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''مساوات'' کے لفظ میں اشکال اور مغالطہ ہے' جبکہ لفظ عدل میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ لفظ بہت واضح اور صریح ہے کہ ہر صاحبِ حق کو اُس کا حق دے دیا جائے۔ عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ مرد کے لیے جو کام مناسب ہیں وہ مرد کرے اور جو کام عورت کے لیے مناسب ہیں انہیں عورت کرے۔ جبکہ لفظ مساوات کے لفظ کا تقاضا ہے کہ مرد وعورت دونوں ہی ایک دوسرے کے کام کرتے رہیں۔

لفظ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اتنے گھنٹے کام کرے جو اس کے بدن اور اس کی جسمانی ونفسیاتی ساخت کے مناسب ہو' جبکہ لفظِ مساوات کا تقاضا ہے کہ خواہ مرد وعورت کے مزاج وطبیعت میں کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو' جتنے گھنٹے مرد کام کرتا ہے عورت بھی اتنے ہی گھنٹے کام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے یہ اس کے خلاف کھلی جنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کچھ مغربی معاشروں نے اس خلافِ فطرت رویے پر اصرار کیا اور مرد وعورت کو ہر کام میں مساوات دے دی تو تباہی اور برے نتائج ان کا مقدر بن گئے۔ بالآخر اس معاشرے کے اہلِ دانش چیخ اُٹھے' ان میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی۔ انہوں نے کتابیں اور مقالے لکھے' جن میں انہوں نے اپنے معاشروں کو پیغام دیا کہ اس خلافِ فطرت نظام سے باز آجائیں۔ میں ایک مثال آپ کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔ عالمی آزادیٔ نسواں کی سرکردہ لیڈر ڈیفیسون کہتی ہے:

''مرد کے ساتھ برابری کے اصرار کی وجہ سے کئی عورتوں نے اپنی ازدواجی زندگی تباہ کر لی ہے۔ یاد رہے کہ مرد ہی قابلِ اطاعت گھر کا سربراہ ہے' عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے

خاوند کے گھر میں زندگی گزارے اور مرد کے ساتھ برابری کے خیال کو بھول جائے۔''

آخر میں ایک خوبصورت واقعے پر اپنی بات کو مکمل کرتا ہوں۔ یہ واقعہ میں نے ایک ریسرچ سکالر سے سنا تھا' وہ اس نعرے پر گفتگو کر رہا تھا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح کی ورزش کرنے کے مواقع دیے جائیں جس طرح مردوں کو دیے جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دوڑ لگانے والا مشہور مغربی کھلاڑی ایک دوڑ لگانے والی لڑکی سے متعارف ہوا' اس کھلاڑی نے اس لڑکی سے شادی کی خواہش ظاہر کی' بالآخر ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ اُن کی شادی پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ طلاق ہوگئی۔ اُس دوڑ لگانے والے کھلاڑی سے پوچھا گیا: تم نے اتنی جلدی طلاق کیوں دے دی؟ اُس نے جواب دیا: میں نے ایک مرد سے شادی کی تھی' عورت سے نہیں۔ اُس نے بتایا کہ اس عورت کا جسم انتہائی سخت تھا جیسا کہ دوڑ لگانے والوں کا ہوتا ہے' اس میں عورتوں والی کوئی بات نہیں تھی' اس کا جسم مردوں کے جسم جیسا ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور وہی علیم وخبیر ذات ہے:

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾

''اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔''

کیا کوئی سبق حاصل کرنے کے لیے تیار ہے؟

دسواں اصول:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾

''جو اللہ کی مدد کرے گا' اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔''

قرآنِ کریم میں مذکور عظیم اصولوں میں سے ایک عظیم اصول یہ قاعدہ ہے جس سے اُمید کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں تاکہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں لشکرِ ایمان کی ڈھارس بندھائے رکھے۔

کامیابی ہر نفس کو دل وجان سے پسند ہے۔ تمام قومیں اسے پانے کے لیے بھرپور کوشش کرتی ہیں اور ہر ملک اس کے لیے محنت کرتا ہے۔ اس مقصد کو پانے کے لیے قومیں اپنے اپنے طریقے اختیار کرتی ہیں۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ اِن کے ذہنوں میں اس عظیم سبب کو پختہ کردے جو تمام اسباب سے زیادہ اہم ہے۔ جس وقت اہلِ ایمان اپنے دشمنوں سے جنگ کر رہے ہوں تو یہ سبب اُن کے ذہن سے محو نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ فتح حاصل کرنے کی جلد بازی میں اس فتح کے دوام کے اسباب کو بھول جائیں۔ یہ

قاعدہ اس مقصد کے لیے بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان کو بتا دے کہ فتح وکامیابی کی حقیقت اِن اصولوں پر عمل کرنے میں ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے‘ اس کی طرف سے منع کردہ کاموں سے بچا جائے‘ اُس کے رسولوں اور اُن کو ماننے والوں کی مدد کی جائے‘ اللہ کے دین کی مدد جائے‘ اور اُس کے دشمنوں سے جہاد کیا جائے اور ان کو اس قدر دبا دیا جائے کہ اللہ کا دین غالب اور بلند وبالا ہو جائے اور اللہ کے دشمنوں کی بات نیچے لگ جائے۔ یہی قاعدہ اِن دو آیتوں میں بیان ہوا ہے اور ان آیتوں نے فتح ونصرت کے اسباب کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝٤٠ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝٤١﴾ (الحج)

’’جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا‘ بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾ ’’تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے‘‘۔ جب مؤمن یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ چونکہ فتح ونصرت کے اسباب ابھی دور ہیں اس لیے فتح ابھی مشکل ہے‘ تو یہ جملہ اس کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے‘ کہ یقیناً کاموں کا نتیجہ صرف ایک اللہ کے پاس ہے‘ اپنی حکمت کے ساتھ اس کو جس طرف چاہتا ہے‘ پھیر دیتا ہے۔

ایک اہم سوال ہے: اللہ کی مدد کا کیا معنیٰ ہے؟ اور یہ کس طرح آتی ہے؟

جواب: اللہ کی مدد کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کے دین کی مدد کی جائے‘ رسول کی زندگی میں اس کی مدد جائے اور اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی سنت کی مدد کی جائے۔ اس کے بعد آیت کا آخری حصہ اس فتح ونصرت کی حقیقت بیان کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا اور چاہتا ہے‘ بلکہ یہی وہ حقیقی مدد ہے جس کے ساتھ زمین میں طاقت اور حکومت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝٤١﴾ (الحج)

’’یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں‘ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘

جب اللہ تعالیٰ کو یقین ہو جاتا ہے کہ فلاں قوم یا فلاں ملک طاقت کے چاروں اصولوں کو اپنا لے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق اور نصرت سے اس کی مدد کرتا ہے‘ خواہ ساری دنیا کے لوگ اکٹھے ہو کر ان پر چڑھائی کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی‘ خلفاء راشدین ؓ اور جو لوگ اُن کے بعد اِس راہ پر چلے ہیں ان سب کی زندگی اس بات کی سچی گواہی اور مثال ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ جب یہ لوگ زمین میں حکمران بن جائیں گے اور ان کو اقتدار مل جائے گا تو نہ اس میں نماز قائم کریں گے‘ نہ زکوٰۃ دیں گے‘ نہ نیکی کا حکم دیں گے اور نہ برائی سے روکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ اُن پر چھوڑ دیتا ہے‘ اُن کے دشمن کو ان پر غالب کر دیتا ہے‘ اُن کو گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اُن کو باہم لڑا دیتا ہے۔ تاریخ ایسے عبرتناک واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ مثلاً یہودیوں کی فتح جو ایسے لوگوں کے مقابلے میں تھی جو آیتِ کریمہ میں مذکور شرائط کو بھلا بیٹھے تھے۔ یہ کل ہی کی تو بات ہے۔ یہودی اہل کتاب اور اہلِ دین ضرور ہیں‘ اس کے ساتھ ساتھ وہ قاتل اور مجرم بھی ہیں۔

جو شخص قرآنِ کریم کو معمولی سی سوچ بچار کے ساتھ پڑھتا ہے وہ کامیابی اور شکست کے اسباب سے متعلق گفتگو کو کئی جگہ بڑی وضاحت اور تفصیل سے پاتا ہے۔ اور یہ واقعات کائنات کے سب سے زیادہ محترم اور معزز لشکر کے بارے میں ہیں‘ جس کے سپہ سالار حضرت محمد ﷺ ہیں اور اس کے سپاہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں صحابہ کرام ؓ نے دریافت کیا‘ تو آسمان سے جواب نازل ہو گیا:

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ﴾ (آل عمران:١٦٥)

’’آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔‘‘

سورۃ الانفال میں جہاں غزوۂ بدر کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے‘ وہاں وضاحت کے ساتھ فتح کے اہم ترین اسباب اور شکست کے خطرناک اسباب کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ

اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بَطَرًا وَّرِئَآءَ
النَّاسِ وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۴۷﴾﴾ (الانفال)

’’اور اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو‘ اور آپس میں اختلاف نہ کرو‘ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی‘ اور صبر کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں‘ اللہ اسے گھیر لینے والا ہے۔‘‘

فتح کے اسباب میں سے ایک اور سبب کی وضاحت ملتی ہے اور وہ ہے ایمان۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَکَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (الروم)

’’اور ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔‘‘

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے: آج مسلمانوں کو ملنے والی مدد کدھر گئی؟ بہت سارے ملکوں میں مسلمانوں کو پیسا جا رہا ہے‘ انہیں ستایا جا رہا ہے‘ وہ دب کے رہ رہے ہیں اور کچھ کر بھی نہیں سکتے۔

جواب: اللہ کی مدد آ سکتی ہے اللہ کے دین کی مدد کرنے سے‘ اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ کھڑے رہنے سے‘ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے سے‘ اور پھر مقابلے میں ڈٹ جانے سے ☆۔ یاد رکھیں ہر پریشانی کے ساتھ ہی اس کا حل ہوا کرتا ہے اور ہر سختی کے ساتھ آسانی ہوتی ہے۔ اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب فتح و کامیابی کا یقین رکھا جائے اور نا اُمیدی سے بچا جائے۔ (واللّٰہ المُستعان!) (جاری ہے)

☆ بقول علامہ اقبال ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

تنظیمِ اسلامی کی انسدادِ سود کی جدّوجُہد کی روداد

حافظ عاطف وحید☆

☆ انسدادِ سود کی کوششوں کا دورِ ثانی 2012 سے شروع ہوتا ہے۔ تنظیم اسلامی کی مرکزی سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ میں انسدادِ سود کا معاملہ سپریم کورٹ آف پاکستان سے ریمانڈ شدہ 2002 سے معرضِ التواء میں پڑا ہے لہٰذا کوشش کی جائے کہ اسے سماعت کے لیے ''Fix'' کروایا جائے۔ چنانچہ 4/ اگست 2012 کو ایک درخواست بعنوان "Application to Fix for Hearing" خالد محمود عباسی بمقابلہ فیڈریشن آف پاکستان بذریعہ سپریم کورٹ کے وکیل کوکب اقبال صاحب' فیڈرل شریعت کورٹ میں داخل کی گئی جس میں انسدادِ سود کی سابقہ کوششوں اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے 1999 اور 2002 کو بنیاد بناتے ہوئے یہ استدعا کی گئی کہ:

"It is therefore, respectfully prayed that the above case (PLD 2002, SC 800) may kindly be ordered to be fixed for hearing at a very early date convenient to this Honourable Court."

☆ اس درخواست کے جواب میں 17/ اگست 2012ء کو فیڈرل شریعت کورٹ کی جانب سے یہ جواب وصول ہوا کہ چونکہ درخواست گزار متذکرہ بالا کیس میں ایک ''پارٹی'' نہیں ہے اور چونکہ یہ درخواست فیڈرل شریعت کورٹ کے Procedure 1981 کے مطابق نہیں' اس لیے یہ درخواست رد کی جاتی ہے۔

☆ اس جواب کے موصول ہونے پر 28 جولائی 2013ء کو تنظیم اسلامی کے ایک اہم ذمہ دار خالد محمود عباسی کی جانب ہی سے ایک دوسری درخواست بعنوان "Petition under article 203-D of the Constitution of Pakistan 1973" دائر کی گئی جو کہ ایک

☆ ڈائریکٹر شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور۔

آئینی درخواست تھی جو فیڈرل شریعت کورٹ میں آئین کے سیکشن 34-CPC/ Interest being against the injunction of Islam کے تحت تھی۔ اس درخواست میں پاکستان کے آئینی تشخص اور ریاست پاکستان کی آئینی ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ استدعا کی گئی تھی:

In this spirit that this petition is being filed and the petitioner believes that Allah and Prophet Muhammad (S.A.W) will be pleased with all those who will strive to achieve this noble case and will be displeased who will show reluctant in the matter.

It is therefore, respectfull prayed that a declaration may be made to the effect that interest (Ribah) in all its forms is Haram/prohibited in Islam and the Government of Pakistan may be directed to take prompt measures for the eradication of the evil of (Ribah) interest from the Islamic Republic of Pakistan.

☆ اس petition کے دائر کیے جانے کے نتیجے میں فیڈرل شریعت کورٹ نے 26 ستمبر 2013 کو اپنے مراسلے میں یہ petition برائے سماعت قبول کر لی اور 22 اکتوبر 2013 کی تاریخ برائے ابتدائی سماعت دے دی اور اس جیسی دوسری متعدد درخواستوں کو یکجا کرتے ہوئے مشترکہ طور پر تمام کیسز سننے کا عندیہ ظاہر کیا۔

☆ 22 اکتوبر 2013 سے تادمِ تحریر چند رسمی کارروائیوں کے علاوہ اس کیس میں کوئی قابل ذکر نوعیت کی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ پہلی اور ابتدائی سماعت میں محض اس کیس اور اس کے ساتھ دیگر 117 کیسز کو lumped acknowledge کیا گیا اور کہا گیا کہ دوسری سماعت پر دلائل کا جائزہ لیا جائے گا اور petitioner کو اپنی بات کہنے کا موقع ہوگا۔

دوسری پیشی پر ڈپٹی اٹارنی اور اٹارنی جنرل کی غیر موجودگی کو بنیاد بنا کر ایک نئی تاریخ دینے کی نوید سنائی گئی۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ ایک سوال نامہ تمام petitioners اور ماہرین قانون' علماء اور فنانشل ایکسپرٹس کو ارسال کیا جائے گا جس کی روشنی میں ڈیمانڈ کردہ اس کیس پر بحث کی جائے گی۔ چنانچہ 14 سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ فیڈرل شریعت کورٹ کی جانب سے بذریعہ مراسلہ واخباری اطلاع بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کا جواب تیار کر کے فیڈرل شریعت کورٹ کے رجسٹرار کو حسبِ استطاعت وتوفیق ارسال کیا جائے۔

☆ تنظیم کی طرف سے ان 14 سوالات کے جوابات مفصل طور پر تیار کر کے وکلاء کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ میں داخل دفتر کروا دیے گئے اور کورٹ سے استدعا کی گئی کہ معاملے کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر اس کیس کو تیزی سے نمٹایا جائے۔

☆ کورٹ کو assist کرنے کے لیے ہماری جانب سے تین مزید وکلائے سپریم کورٹ کی خدمات حاصل کی گئیں‘ جن میں رائے بشیر احمد‘ غلام فرید سنوترہ اور اسد منظور بٹ شامل ہیں۔ ہمارے علاوہ بعض دوسرے افراد اور آرگنائزیشنز کی طرف سے بھی جوابات داخل کیے گئے‘ جن میں متحدہ ملی مجلس‘ جماعت اسلامی اور شیخ ابراہیم وڈیلو اور دوسرے شامل ہیں۔

☆ 2014ء کے آغاز تک یہ تمام کارروائی مکمل ہو گئی تھی اور اب اس بات کا انتظار تھا کہ یہ معاملہ کورٹ میں ایک نئی قوت کے ساتھ زیر بحث آئے گا اور ہم سود کی اس لعنت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ لیکن تادمِ تحریر فیڈرل شریعت کورٹ میں اس معاملے پر باقاعدہ بحث کا آغاز نہیں ہو سکا اور معاملہ ایک مرتبہ پھر نامعلوم مدت تک کے لیے التواء کا شکار ہے۔

☆ اس دوران راقم نے مختلف وکلاء اور ماہرین سے رابطہ جاری رکھا اور اس بات کے امکانات کا جائزہ لیا کہ کیا اس کیس کو ازسرِنو سپریم کورٹ آف پاکستان میں کھلوایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ راقم کا تاثر یہ تھا کہ چونکہ سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بنچ کا 1999ء والا فیصلہ ایک حجت کی حیثیت رکھتا ہے جسے بعد میں 2002ء میں PCO پر حلف اٹھائی ہوئی کورٹ نے کالعدم قرار دے دیا تھا‘ لہٰذا اگر موجودہ سپریم کورٹ سے یہ استدعا کی جائے کہ 1999ء والا فیصلہ بعض ریاستی اور غیر ریاستی اداروں کے دباؤ پر معطل کیا گیا تھا اس لیے اسے کالعدم قرار دیا جائے تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ مراحل آسانی سے سَر ہو جائیں گے۔

☆ اس خواہش اور امید کے پیش نظر راقم نے متعدد ماہرین سے رابطہ کیا اور سپریم کورٹ میں اس کیس کی نمائندگی کے لیے مختلف وکلاء سے رابطہ کیا۔ کافی سوچ بچار اور مشاورت کے بعد راجہ محمد ارشاد صاحب جو کہ انجمن خدام القرآن سندھ سے طویل عرصہ وابستہ رہے ہیں اور بانیٔ تنظیم کے فکر سے کافی حد تک آگاہ اور متفق ہیں اور عدالتی طور طریقوں سے بخوبی واقف ہیں‘ انہیں اس کام کی ذمہ داری سونپنے کا فیصلہ کیا گیا۔

راجہ صاحب نے اپنے ساتھ سپریم کورٹ کے دو اور وکلاء جناب سردار محمد غازی اور شمشاد اللہ چیمہ کو ٹیم میں شامل کیا۔ راقم نے ان حضرات کے ساتھ اسلام آباد میں متعدد ملاقاتیں کیں اور انہیں اس کیس کی تاریخ اور معاملے کے مالہٗ اور ماعلیہ سے آگاہ کیا۔

وکلاء کے اس گروپ نے تمام کیس کا جائزہ لے کر یہ رائے قائم کی کہ 1999ء کا فیصلہ بحال

کرانا بوجوہ آسان نہ ہوگا بلکہ اس کے بجائے اس معاملے کو آئین کی دفعہ F-38 کے تحت اٹھانا یا پیش کرنا زیادہ موزوں رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے 30 مارچ 2015 کو یہ کیس انہی بنیادوں پر تیار کیا اور اسے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کی طرف سے ایک Constitution Petition بمقابلہ فیڈریشن آف پاکستان بعنوان Petition under article 184(3) of the Constitution of Pakistan تیار کیا اور سپریم کورٹ میں داخل کروا دیا۔ اس Constitution Petition میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ:

In view of the above, it is therefore, respectfully prayed that this Hon'ble Court may graciously be pleased to issue direction to the respondents to implement Article 38-F of the constitution to eliminate "Riba" as early as possible to save this country from the wrath of Almighty Allah."

☆ مورخہ 9 مئی 2015ء رجسٹرار آفس سے یہ جواب موصول ہوا کہ متعدد وجوہات کی بنا پر یہ درخواست مسترد کر دی گئی ہے‘ لہٰذا یہ قابل سماعت نہیں۔

☆ چونکہ بیان کردہ وجوہات نامعقول اور غیر آئینی تھیں لہٰذا 23 مئی 2015ء کو ایک Civil Miscellaneous اپیل داخل کی گئی جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ رجسٹرار آفس اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ کسی ایسی آئینی پٹیشن کو رد کر سکے جس میں بنیادی حقوق کا معاملہ پیش نظر ہو۔ لہٰذا یہ درخواست کی گئی کہ رجسٹرار آفس کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات مسترد کرتے ہوئے ہماری پٹیشن کو کورٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔

اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے رجسٹرار نے معاملے کو جسٹس سرمد جلال عثمانی کے پاس پیش کیا جنھوں نے کیس کا جائزہ لے کر یہ رائے دی کہ معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر اس کیس کو ایک سے زائد ججز کا سماعت کرنا مناسب ہوگا۔ چنانچہ 5 اکتوبر 2015 کو ایک دوسرے جج جسٹس عظمت سعید کو جسٹس سرمد جلال عثمانی کے ساتھ شامل کر کے اس کیس کی سماعت کی گئی اور ایک مختصر سی کارروائی کے بعد ان دونوں ججز نے اس بنیاد پر کہ معاملہ پہلے سے فیڈرل شریعت کورٹ میں subjudice ہے اس لیے اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا۔

اس فیصلے سے قطع نظر‘ ججز کے جو ریمارکس اور بیانات اخبارات میں رپورٹ ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ عدالتوں میں ایسے ''نامور'' ججز کا تعین کیا جانا بجائے خود ایک لمحہ فکریہ ہے اور اس سے ان کی اہلیت پر متعدد سوالات اٹھتے ہیں۔

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

حاجی عبدالواحد صاحبؒ ماضی قریب کی ایک بھرپور تحریکی شخصیت تھے۔ ان کا آخری عمر میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے انتہائی قرب ہوگیا تھا اور ڈاکٹر صاحب ان کا ذکرِ خیر اکثر فرمایا کرتے تھے۔ حاجی صاحب کے صاحبزادے پروفیسر حافظ قاسم رضوان صاحب (ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات و مطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور) نے ان کی ڈائریوں کی مدد سے مختلف اکابرین کے حوالے سے حاجی صاحب کی زندگی کے اہم واقعات قلم بند کیے ہیں' جن کی اشاعت کا قسط وار سلسلہ میثاق میں شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کے آغاز میں حاجی صاحبؒ کے تعارف اور حالاتِ زندگی کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وہ تحریر معمولی ایڈیٹنگ اور قدرے اختصار کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے جو انہوں نے حاجی صاحبؒ کے انتقال پر لکھی تھی اور ماہنامہ میثاق کی اشاعت فروری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

تعارف و مختصر حالاتِ زندگی

ازقلم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

......پاکستان کی نئی نسل تو حاجی عبدالواحد سے واقف ہی نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ۱۹۷۰ـ۷۱ء سے ۱۹۸۰ـ۸۱ء تک ان کا راقم الحروف کے ساتھ بڑا گہرا ربط رہا۔ لہٰذا 'تنظیم اسلامی' کے سینئر لوگ ان سے خوب واقف ہیں البتہ گزشتہ پانچ سال سے چونکہ وہ بالکل صاحبِ فراش ہو چکے تھے' لہٰذا تنظیم کے بھی اکثر نئے رفقاء کو ان سے واقفیت نہیں ہے۔

راقم الحروف کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی تو اس موقع پر جو چند جملے کہے' ان میں یہ بھی تھا کہ ''انسان کا باطن تو اللہ ہی کے حوالے ہے' جہاں تک ظاہر کا تعلق

ہے کم از کم میں نے اپنی زندگی میں حاجی صاحب جیسا پابندِ شریعت' انسان کوئی اور نہیں دیکھا!''

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ مکمل ''شرعی پردہ'' بھی راقم نے زندگی میں پہلی بار حاجی صاحب مرحوم کے یہاں دیکھا!......اور وعدہ کی پابندی بھی جتنی راقم نے ان میں دیکھی اور کہیں نہیں دیکھی!

حاجی صاحب کی زندگی کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس صدی کی کوئی قابلِ ذکر دینی و مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں حاجی صاحب نے حصہ نہ لیا ہو۔ اگرچہ اکثر و بیشتر تحریکوں اور جماعتوں کے ساتھ معاملہ یہ ہوا کہ یا وہ حاجی صاحب کی صاف گوئی کو برداشت نہ کر سکیں یا حاجی صاحب کی سیماب وش طبیعت ان سے تادیر مطمئن نہ رہ سکی اور ع ''کچھ اور چاہیے وسعت کے بیاں کے لیے!'' اور ع ''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!'' کے مصداق خود انہوں نے نئی منزلوں کی جانب رُخ کر لیا!!

حاجی صاحب کے مختصر سوانح حیات حسبِ ذیل ہیں: (واضح رہے کہ یہ جملہ واقعات ویسے تو خود میں نے بھی حاجی صاحب سے سنے ہیں' لیکن تاریخوں کے لیے میں نے ان کے صاحبزادے حافظ قاسم رضوان کو تکلیف دی تھی۔ چنانچہ ان کی ذمہ داری ان ہی پر ہے۔)

☆ ولادت: ۱۴ دسمبر ۱۹۰۰ء بمقام اجنالہ (ضلع امرتسر)

☆ ۱۹۱۷ء: گورنمنٹ ہائی سکول کوئٹہ سے (جہاں ان کے والد مولوی محمد حسن صاحب ہیڈ ماسٹر تھے) میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ جہاں قریب ہی حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ درسِ قرآن دیا کرتے تھے' وہاں شمولیت سے آتشِ ذوق دل میں بھڑکی۔

☆ ۱۹۲۰ـ۲۱ء: اسلامیہ کالج لاہور کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ' علی گڑھ میں جا داخلہ لیا جس کا سنگِ بنیاد حضرت شیخ الہندؒ نے رکھا تھا! اسی دوران میں تحریک ہجرت سے متاثر ہو کر ہجرت کے ارادے سے راولپنڈی پہنچ گئے' لیکن ساتھیوں کے بروقت نہ پہنچ سکنے کے باعث آگے نہ جا سکے! واپس پہنچے ہی تھے کہ والد صاحب کے انتقال کی اطلاع آ گئی' لہٰذا تعلیم درمیان میں چھوڑ کر کوئٹہ واپس آئے اور گورنمنٹ ہائی سکول ہی میں ملازمت اختیار کر لی۔

☆ ۱۹۳۰ء: پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ بی اے پاس کیا۔ انگریزی میں یونیورسٹی میں اوّل آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔

☆ ۱۹۳۱ـ۳۲ء: ملازمت سے رخصت حاصل کر کے' گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور انگریزی میں ایم اے کیا۔

☆ ۳۴۔۱۹۳۳ء: مزید رخصت حاصل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مقیم رہے۔ وہاں سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ سے عربی کی تحصیل کی۔ مولانا علی میاں، حاجی صاحب سے انگریزی پڑھتے رہے! اسی زمانہ میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے بھی تعلق قائم ہوا جو تازیست رہا۔

☆ ۱۹۳۵ء: حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت سلوک! (حضرت لاہوریؒ سے خلافت بھی حاصل تھی!)

☆ ۱۹۳۶ء: پہلا حج بیت اللہ اور اس کے دوران مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے تعارف اور مراسم!

☆ ۱۹۳۸ء: مولانا لاہوریؒ کی خدمت میں دورۂ تفسیر کی تکمیل،

☆ ۴۱۔۱۹۴۰ء: حضرت لاہوریؒ کے ارشاد پر خانقاہ رائے پور میں شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری اور استفادہ، اسی دوران میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے تعارف اور ان کے ہاں بھی قیام! ان کے بعد امیر جماعت حضرت مولانا محمد یوسف سے بھی قریبی تعلق رہا۔ اِس کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ کافی طویل سفر کیے اور تبلیغی اکابر سے رابطہ رہا۔

☆ ۱۹۴۲ء: اپنی بقیہ زندگی کو دین کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نیت سے ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔

☆ ۴۳۔۱۹۴۲ء: جماعت اسلامی کے مرکز واقع دارالاسلام، پٹھانکوٹ (ضلع گورداس پور) میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے پاس قیام......لیکن جلد ہی بددل ہو کر مولانا محمد منظور نعمانی کے ساتھ کنارہ کشی!

☆ ۴۷۔۱۹۴۳ء: اپنے آبائی قصبہ اجنالہ ہی میں قیام اور درسِ قرآن کی تحریک کا آغاز۔ ابتداء میں حوصلہ افزائی، بعد میں مقامی لوگوں کی شدید مخالفت!

☆ ۱۹۴۷ء: کے اوائل ہی میں لاہور منتقل ہو گئے اور بعض دوسرے دینی بھائیوں کے ساتھ مل کر گڑھی شاہو میں کچھ جائیداد خرید لی!

☆ ۱۹۴۸ء: حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں چھ ماہ مسلسل قیام اور سلوک کی تکمیل! حضرت رائے پوری سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔

☆ ۵۲۔۱۹۵۱ء: تبلیغی جماعت کے ساتھ دوسرا حج۔ ایک سال ارضِ مقدس ہی میں قیام۔ اس دوران میں مولانا سعید احمد خاں اور مولانا عبیداللہ بلیاوی سے خصوصی تعلقات و روابط!

☆ ۵۳۔۱۹۵۲ء: ایک مثالی اسلامی بستی کے قیام کے لیے انجمن رضوان کے نام سے ایک کوآپریٹو سوسائٹی کا قیام۔ اور اس کے لیے دیوانہ وار کام!

☆ ۱۹۵۵ء: ادارہ اصلاح و تبلیغ (آسٹریلیا بلڈنگ، میکلوڈ روڈ، لاہور) کے زیر اہتمام قرآن مجید کی ایک آسان اور عام فہم تفسیر بعنوان ’’درسِ قرآن‘‘ لکھنے کے لیے علماء کا ایک بورڈ قائم ہوا جس کے حاجی صاحب بھی رکن بنائے گئے۔ اور تفسیر کے کام کے اختتام تک بورڈ کے رکن رہے!

☆ راقم الحروف سے حاجی صاحب کا ربط ۱۹۶۹ء میں قائم ہوا۔ راقم کے چند دروس و خطابات ہی سے انہیں راقم سے بہت اُنس ہو گیا۔ اور ایک طویل عرصے تک حاجی صاحب اپنی علالت اور ضعیفی کے باوصف لاہور میں میری ہر تقریر اور درس میں شرکت فرماتے رہے۔

☆ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس کا مرحلہ آیا تو میرے اِس خیال کی حاجی صاحب نے اپنے تلخ تجربے کی بنا پر شدت کے ساتھ تائید کی کہ اِس کا ڈھانچہ مروجہ جمہوری روایات کے مطابق نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس میں صدر مؤسس کی تاحیات صدارت بھی طے ہونی چاہیے اور اِس پورے عرصے کے دوران اُسے مجلسِ منتظمہ میں ویٹو کا حق بھی حاصل ہونا چاہیے......اس ضمن میں انہوں نے میرے منع کرنے کے باوجود مولانا امین احسن اصلاحی اور شیخ سلطان احمد صاحب سے بھی گفتگو کی، اگرچہ ان حضرات نے ان کی بات پر توجہ نہ فرمائی!

☆ ۷۴۔۱۹۷۳ء کے دوران کسی موقع پر حاجی صاحب نے زبردستی راقم کا ہاتھ کھینچ کر اپنے آپ کو راقم کے ساتھ ’’بیعت جہاد‘‘ کے رشتے میں منسلک کر لیا۔ اس وقت تک خود راقم نے اس کے بارے میں سوچا تک نہ تھا (اگرچہ اصولی طور پر راقم کا یہ ذہن ۱۹۵۸ء میں بن چکا تھا کہ ’’اقامت دین‘‘ کے لیے قائم ہونے والی جماعت کی اَساس ’’بیعت جہاد‘‘ ہی پر ہونی چاہیے!)

☆ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم ہوئی تو حاجی صاحب اس کے تاسیسی ارکان میں شامل ہو گئے۔

☆ ۱۹۷۶ء میں حاجی صاحب نے علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود راقم اور تنظیم اسلامی لاہور کے دیگر ساٹھ ستر رفقاء کی معیت میں کوئٹہ کا سفر کیا اور قرآنی تربیت گاہ میں شرکت فرمائی!

☆ ۱۹۸۰ء تک راقم اور تنظیم اسلامی کے ساتھ حاجی صاحب کا تعلق نہایت پرجوش اور فعال طرز کا رہا۔ چنانچہ اسی دوران میں حاجی صاحب نے راقم کو اپنی جائیداد میں سے دو کنال کے رقبے پر مشتمل ایک کوٹھی ہبہ کی۔ الحمدللہ اُسی کوٹھی پر وہ عمارت تعمیر ہو رہی ہے جس میں

تنظیم اسلامی کا مرکزی دفتر منتقل ہو رہا ہے۔

☆ ان کی وفات پر راقم جب اسی روز (۱۱/ جنوری ۱۹۸۶ء) بعد نماز مغرب ان کی نماز جنازہ پڑھا رہا تھا تو دل میں عجیب سی حسرت کا احساس پیدا ہوا کہ کاش گزشتہ چند دنوں کے دوران حاجی صاحب سے ایک ملاقات ہو جاتی تو راقم اپنے ایک اقدام کی وضاحت کر سکتا جس سے انہیں شکایت پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے کہ گزشتہ پندرہ سال کے دوران راقم کو متعدد بار تجربہ ہو چکا تھا کہ حاجی صاحب کو کوئی شکایت پیدا ہوئی اور جیسے ہی میں حاضر ہوا' ساری شکایت کافور ہو گئی۔ بلکہ بعض اوقات تو محسوس ہوا کہ حاجی صاحب خفگی کا اظہار کرتے ہی اس لیے ہیں کہ میں اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر ان کی خدمت میں حاضری دے سکوں! وہ ہر اعتبار سے میرے 'بزرگ' تھے (عمر میں تو میرے والد صاحب مرحوم سے بھی چار سال بڑے تھے!) لیکن وہ جس ادب واحترام ہی نہیں 'تعظیم' کے ساتھ مجھ سے پیش آتے تھے اُس سے بہت شرمندگی ہوتی تھی اور بعض اوقات اِسی کا احساس ان کی خدمت میں حاضری سے مانع ہو جاتا تھا،...... بہر حال ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ جانا ہے! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت اور فضل و کرم کے سائے میں جگہ دے اور ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ کا مصداق بنا دے۔ آمین!

☆☆☆

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کے اس تعارف کے بعد ان کی یادداشتوں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے' جسے ان کے بیٹے حافظ قاسم رضوان صاحب نے مرتب کیا ہے۔

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اباجی

۱۹۳۶ء کا حج کوئٹہ کے تعلیمی اداروں کی سردیوں کی چھٹیوں میں آ رہا تھا۔ اباجی ان دنوں وہاں کے گورنمنٹ ہائی اسکول سے منسلک تھے۔ اباجی کی ساری تعلیمی ملازمت بلوچستان سے ہی متعلق ہے۔ بقول اباجی ان کے دل میں اچانک خیال آیا کہ کچھ چھٹیاں مزید ساتھ ملا کر اس دوران فریضۂ حج ادا کیا جا سکتا ہے۔ یوں مزید چھٹیاں لے کر اور تیاری کر کے اباجی سیدھے کراچی جا پہنچے۔ اباجی بتایا کرتے تھے کہ ان دنوں کوئی پابندیاں نہیں تھیں اور کراچی میں یہ

معمول تھا کہ جیسے بسیں اڈے سے سواریاں بھرتی ہیں اور روانہ ہوتی ہیں' یونہی بحری جہاز گودی میں لگ کر حاجی بھرتے اور جب تعداد پوری ہو جاتی تو ایک کی روانگی کے بعد دوسرا بحری جہاز ساحل سمندر پر آ کھڑا ہوتا۔ اسی طرح اباجی نے بھی فوری دستیاب جہاز میں سوار ہو کر اپنے پہلے حج کے سفر کا آغاز کیا اور کچھ ہفتوں کے بعد سعودی عرب پہنچ گئے۔

مولانا عبیداللہ سندھی بھی اس وقت اپنی جلاوطنی کے آخری ایام حجاز میں گزار رہے تھے اور مدینہ کی ایک رباط میں آپ کی رہائش تھی۔ اباجی آپ کے مقام و مرتبہ سے پہلے ہی آشنا تھے' اس لیے پہلی فرصت میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ قیام مدینہ کے دوران روزانہ اباجی کی مولانا سندھی سے نشست رہتی۔ بے تکلفی کی بنا پر مولانا صاحب اباجی کو ماسٹر کے نام سے خطاب کیا کرتے تھے۔ بدقسمتی سے اباجی کی تقسیم ہند سے پہلے کے تمام روزنامچے مختلف وجوہات اور سیلاب کی وجہ سے تلف ہو گئے۔ یوں مولانا سندھی اور اباجی کی مجالس کی تفاصیل تک رسائی نہ ہو سکی۔ بعد کی ڈائریوں میں کہیں کہیں اس ضمن میں کچھ باتوں کا ذکر ملتا ہے' یا پھر جو حصہ اباجی کی زبانی سنا' یادداشت میں بچ گیا ہے۔ باتوں باتوں میں ایک مرتبہ مولانا سندھی نے اباجی کو یوں خطاب کیا: ''ماسٹر! میں نے ہندوستان کے مختلف علاقے گھومے۔ افغانستان رہا۔ روس میں ٹھہرا۔ ترکی بھی رہ کر دیکھا۔ اب حجاز میں قیام ہے' جہاں ساری دنیا سے مسلمان آتے ہیں۔ لیکن پنجابی نوجوان کے مقابلے کا کہیں نہیں ہے۔ برصغیر میں آنے والی تمام قومیں پنجاب کے راستے سے ہی آگے جاتی رہی ہیں۔ اس لیے پنجابی نوجوان نے ان کی خوبیوں اور خصائص سے بھی بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ لیکن اس کی تمام خوبیوں پر ایک خامی نے پردہ ڈال دیا ہے کہ اپنا کچھ نہیں اور دوسروں کے پیچھے لگ جاتا ہے''۔ ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: ''ماسٹر! اکیلا آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ حاصل کرنے اور انقلاب کی تیاری کے لیے ایک منظم جماعت کا ہونا ضروری ہے''۔ ایک اور گفتگو میں مولانا سندھی نے اباجی کو واضح کیا کہ ''اصلاح معاشرہ اور انقلاب کی تیاری کا عمل فصل کے لیے زمین تیار کرنے کے عمل سے مشابہ ہے۔ جیسے بیج ڈالنے اور فصل حاصل کرنے کے لیے زمین کو اس کے مطابق تیار کرنا ضروری ہے اور بغیر تیاری کے فصل کی امید جہالت ہے' اسی طرح معاشرے میں انقلاب لانے کے لیے موزوں بندوں کو صحیح طریقے سے تیار کرنا' ان پر استقامت سے محنت کرنا اور پھر انہیں میدانِ کارزار کا شہسوار بنانا لازم ہے۔ ورنہ انقلاب کی تمام سعی رائیگاں جائے گی۔''

ایک نشست میں اباجی نے مولانا سندھی سے خدمت دین کے لیے وقف ہونے کا سن کر عرض کی: ''حضرت! دین کی خدمت اور تبلیغ اسلام کے لیے دل تو بہت چاہتا ہے' پر جمعرات کی روٹیاں کون کھائے؟'' اس پر مولانا سندھی نے پہلے تو تحمل سے جواب دیا کہ ''ہاں بھئی! آپ تو عزت والے اور صاحبِ حیثیت ہیں' یہ روٹیاں کھانے والا کام کیسے کر سکتے ہیں!'' پھر کچھ توقف کے بعد غصے سے بولے: ''انگریز کی نوکری کرنے میں تو آپ کی عزت ہے اور غریب مسلمان بھائی اگر محبت سے روٹی لے آئے تو اس کے کھانے سے آپ کی تذلیل ہوتی ہے۔''

مولانا عبیداللہ سندھی کے مختصر حالات زندگی درج ذیل ہیں:

آپ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام رام سنگھ تھا جو ہندو سے سکھ ہوئے تھے۔ مولانا کا خاندانی نام بوٹا سنگھ تھا' عبیداللہ کا نام مسلمان ہونے کے بعد خود انہوں نے اپنے لیے تجویز کیا تھا۔ مولانا سندھی کی پیدائش سے چار ماہ قبل والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب آپ دو سال کے ہوئے تو دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اس پر نانا اپنی بیٹی اور نواسے کو اپنے گھر لے گئے اور وہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ چھ سال کی عمر ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ نانا کے وفات پانے پر آپ کے ماموں اپنی جائے ملازمت جام پور' ضلع ڈیرہ غازی خاں ساتھ لے گئے۔ تقریباً ۱۸۷۸ء میں مولانا سندھی کو چھ سال کا ہونے پر مڈل اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ ساتھ ساتھ مولانا کے قلبِ صالح کو اسلامی کتب کے مطالعہ نے اثر پذیر کرنا شروع کر دیا۔ بقول مولانا ۱۸۸۴ء میں ایک لڑکے سے ''تحفۃ الہند'' نامی کتاب ملی۔ (جس کے مصنف کے نام پر ہی مولانا نے اپنا نام عبیداللہ تجویز کیا۔) اسی طرح شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تالیف ''تقویۃ الایمان'' کے مطالعہ کا موقعہ ملا' جس سے اسلامی توحید اور شرک کی سمجھ آئی۔ اب آپ کے قلبِ سلیم سے مزید برداشت نہ ہو سکا اور آپ نے اظہارِ اسلام کر دیا۔ اگست ۱۸۸۷ء کو پندرہ سال کی عمر میں آپ اپنے دوست عبدالقادر کی معیت میں گھر سے نکل پڑے۔ راستے میں کچھ دن کوٹلہ رحم شاہ (ضلع مظفر گڑھ) قیام کیا۔ پتہ چلا کہ اعزہ تلاش میں ہیں تو مدرسہ کے ایک طالب علم کی رہنمائی میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ بھرچونڈی والے (صوبہ سندھ) کی خدمت میں جا پہنچے۔ ان کے فیض صحبت کے بارے میں خود مولانا سندھی کا اعتراف ہے: ''آپ کی صحبت کا چند ماہ کے بعد یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے طبیعت ثانیہ بن گئی' جس طرح کہ ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔''

تین چار ماہ کے قیام کے بعد مولانا اگلی منزل کی تلاش میں نکلے۔ ریاست بہاولپور کے مختلف مدارس میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر چند ماہ کے بعد دیوبند کا رخ کیا۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مل گیا۔ اس وقت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ' شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز تھے۔ آپ کے درس حدیث میں بھی مولانا سندھی شامل رہے۔ امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ صحاح ستہ کی کچھ کتابیں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا عبدالکریم پنجابی دیوبندیؒ سے پڑھیں۔ ۱۸۹۰ء کے آخر تک مولانا سندھی درسِ نظامی سے فارغ ہو چکے تھے۔ اوائل ۱۸۹۱ء میں مولانا واپس بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) تشریف لے گئے۔ حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ آپ کے پہنچنے سے دس دن پہلے انتقال فرما چکے تھے۔ یہاں سے مولانا سندھی امروٹ (ضلع سکھر) حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے کمال شفقت سے مولانا کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہیں پر ۱۸۹۱ء کے اواخر میں حضرت امروٹی نے مولوی محمد عظیم یوسف زئی کی صاحبزادی سے مولانا سندھی کا نکاح کرایا' ان کی رہائش کو گھر اور مطالعہ کے لیے کتب خانہ مہیا کر دیا۔ اس اہلیہ کے ہاں ایک بیٹا حسین اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک بیٹی مریم کی شادی مولانا نے مولانا احمد علی لاہوریؒ سے ۱۹۰۸ء میں کر دی۔ ایک سال کے بعد بیٹا ہوا۔ لیکن پیدائش کے ساتویں دن بیٹے حسن اور آٹھویں دن اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ دوسری صاحبزادی کا عقد مولانا غلام محمد دین پوریؒ سے ہوا۔ اس سے مولوی ظہیر الحق پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے اور ان کی اولادیں حسبِ توفیق مولانا سندھی کا ذکر اخباروں اور کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے زندہ رکھتے رہے ہیں۔ مولانا سندھی کا دوسرا نکاح ۱۹۱۷ء کے لگ بھگ مولانا احمد علی لاہوری کی والدہ سے ہوا۔ ان کے پہلے شوہر شیخ حبیب اللہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا عبدالقادر دین پوریؒ کے حکم پر مولانا نے ان کی بیوہ سے نکاح کیا تھا' لیکن جلد ہی وہ چل بسیں۔ ان کے بیٹے مولانا احمد علی اور دوسرے تین بھائیوں کی تعلیم وتربیت مولانا سندھی کی نگرانی میں ہی ہوئی۔ مولانا سندھی کی والدہ آخر تک اپنے سکھ دھرم پر قائم اور مولانا کے ساتھ ہی رہیں۔ آپ نے ان کی تعظیم میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

مولانا سندھی کو پروردگارِ عالم نے اعلیٰ فہم وبصیرت سے نوازا تھا۔ تمام اسلامی علوم پر ان کی خاص نظر تھی۔ طبیعت میں وافر جذبہ تحقیق تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کے علوم ومعارف کے فہم میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ امروٹ شریف میں ہی مولانا سندھی نے تحریر وتقریر اور تربیت کا سلسلہ

شروع کر دیا۔ لیکن چند سال بعد آپ کے انقلابی افکار کی وجہ سے آپ کے سرپرست حضرت امروٹی نے کچھ اظہارِ ناراضی کیا تو آپ نے اپنا رسالہ ''ہدایت الاخوان'' بند کر دیا۔ ایک دوسرے بزرگ حضرت رشد اللہ صاحب العلم الرابع کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے مولانا سندھی کو بلا بھیجا اور مدرسہ قائم کرنے کی دعوت دی اور اخراجات کی ذمہ داری خود اٹھائی۔ چنانچہ مدرسہ دارالرشاد' گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدر آباد) اکتوبر ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا' جس کا مکمل نظم ونسق مولانا سندھی کے سپرد تھا۔ مولانا کے خلوص اور محنت سے چند سالوں میں مدرسہ نے سندھ کی علمی تاریخ میں اپنا خاص مقام پیدا کر لیا اور ہزاروں طلبہ یہاں سے فارغ ہو کر نکلے۔ نیز اس مدرسہ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و معارف کے تعارف اور اشاعت میں اہم خدمات سرانجام دیں۔

بقول مولانا سندھی ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو دیوبند طلب کیا اور خاص مصالح کے تحت اپنی زیر سرپرستی ''جمعیۃ الانصار'' قائم کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ساتھ سندھ کے کام سے بھی تعلق قائم رہا۔ مولانا سندھی اور دوسرے ساتھیوں کی ہمت اور محنت سے جمعیۃ الانصار کا کام شروع ہو گیا اور مختلف پانچ شعبے قائم کیے گئے۔ جمعیۃ کا پہلا سالانہ جلسہ اپریل ۱۹۱۰ء میں مراد آباد' دوسرا اپریل ۱۹۱۲ء میں میرٹھ اور تیسرا اسی سال اگست میں شملہ میں منعقد ہوا۔ ہزاروں شرکاء اور دیوبند کے علماء کرام ان میں شامل رہے۔ بڑے اہم اور مفید موضوعات پر تقاریر ہوئیں اور دینی حلقوں نے خاص دلچسپی لی۔ ان جلسوں کے انعقاد اور اہمیت کے بارے میں خود مولانا سندھی کے قلم سے ''القاسم'' دیوبند میں تحریریں چھپتی رہیں۔ لیکن اس کے بعد بعض دینی اور سیاسی نکات پر دیوبند کے اربابِ اہتمام سے مولانا کے واضح اختلافات کی وجہ سے جمعیۃ کا کوئی اور جلسہ نہ ہو سکا اور خود مولانا کو اس کے نظم اور دیوبند سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اس تمام قضیے میں مولانا سندھی کو حضرت شیخ الہند کی سرپرستی حاصل رہی۔ دہلی منتقل ہونے پر حضرت شیخ کے حکم سے ۱۹۱۳ء بمطابق ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم محمد اجمل خاں اور دیگر سیاسی رہنما بھی شامل تھے۔ اس ادارے کا اہم مقصد جدید تعلیم یافتہ اور علماء حضرات کو عربی کے ساتھ انگریزی کی تعلیم' حجۃ اللہ البالغہ کا درس اور اس کی روشنی میں قرآن حکیم کی انقلابی تفسیر پڑھانا اور خدمتِ دین کے لیے تیار کرنا تھا۔ ساتھ ساتھ ان کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔

اوائل ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم پر مولانا نے ہجرتِ کابل کی تیاری شروع کر دی۔ مدرسہ کا نظم مولانا احمد علی کے سپرد ہوا۔ ۱۹۱۶ء کے اواخر میں ''تحریک ریشمی رومال'' کے ضمن میں ملک گیر پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو مولانا احمد علی بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور یوں مدرسہ بالکل بند ہو گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی کابل پہنچے۔ وہاں آپ کا مع رفقاء پرجوش استقبال کیا گیا اور آپ نے اپنے آزادیٔ ہند کے سیاسی پروگرام پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ ہندوستان کی ایک جلاوطن حکومت کا اعلان کیا گیا۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاب' وزیراعظم مولوی برکت اللہ' وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر عہدیداران مقرر ہوئے۔ حکومت مؤقتۂ ہند کے قائم کرنے میں' جرمن' ترکی' ہندوستانی مشن کا اہم کردار تھا۔ مولانا کو کابل پہنچنے کے بعد اس میں شامل کیا گیا۔ جلاوطن عبوری حکومت اور افغان رہنماؤں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ پر بھی گفتگو ہوئی۔ اس ضمن میں کچھ شرائط زیر بحث رہیں جس کے تحت افغان حکومت آزادیٔ ہند کے لیے عملی مدد کرتی اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوتی۔ کابل سے مولانا نے چند اہم خطوط جن میں تحریک آزادی کا لائحہ عمل شامل تھا' ریشمی رومال کے ٹکڑوں پر اردو میں تحریر کر کے شیخ عبدالرحیم (حیدرآباد' سندھ) کے نام بھیجے' تاکہ انہیں آگے احتیاط سے حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حجاز بھجوا دیا جائے۔ (حضرت شیخ اس دوران ہجرت کر کے ہند سے حجاز پہنچ چکے تھے۔) یہ خطوط عبدالحق نامی ایک نوجوان کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ بدقسمتی سے یہ مکتوب حضرت شیخ تک پہنچنے کی بجائے ملتان کے زمیندار رب نواز خاں (جس کا بیٹا خود اس میں ملوث تھا) کے ذریعے انگریزوں کے ہاتھ لگ گئے' جنہوں نے اسے سازش قرار دے کر وابستہ لوگوں کو ہندوستان کے طول وعرض میں پابند سلاسل کرنا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ الہند کو حجاز سے گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں لے جا کر قید کر دیا گیا۔ تاریخ آزادی میں یہ جدوجہد تحریک ریشمی رومال کے نام سے معروف ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری اور دیگر عوامل سے آزادیٔ ہند کا یہ منصوبہ خاک میں مل گیا۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خلافتِ راشدہ

بسلسلہ "نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟"(۳)

شجاع الدین شیخ☆

آج ہمارا موضوع بہت وسیع ہے اور خلافت راشدہ پر بات کرنے میں اگر ایک مدت بھی بیت جائے تو اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مختصراً کچھ باتیں گوش گزار کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر آج یہ نظام قائم ہوتا ہے (ان شاء اللہ) تو اس کے تناظر میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کی اہمیت کیا ہے؟ بلکہ اگر وسیع تر الفاظ میں بیان کیا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی اہمیت کیا ہے؟ اصل میں یہ ہمارا آج کا موضوع ہے۔ آگے چل کر خلفائے راشدینؓ کے ذاتی حالات‘ ان کے دورِ خلافت میں جو نظام خلافت رہا‘ اس کی کچھ خصوصیات پر گفتگو ہوگی۔ لیکن بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آج اگر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کرنے کی جدوجہد ہو‘ تو اس میں صحابہ کرامؓ کے دور کی اہمیت کیا ہے۔ میں اپنی بات یہاں سے شروع کر رہا ہوں کہ پہلے صحابہ کرامؓ کا دور‘ اس کے بعد خلافتِ راشدہ اور پھر خلفاء راشدین کے فضائل و مناقب بیان ہوں گے۔

سورۃ البقرۃ‘ آیت ۱۳۷ میں فرمایا گیا: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ ’’پس اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں (اشارہ یہود کی طرف ہے) جس طرح (اے صحابہؓ) تم ایمان لائے ہو تب یہ ہدایت یافتہ ہوں گے‘‘۔ ہدایت کا بیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ آج ہمارا ایمان اور ہمارے عقائد صحابہ کرامؓ کی طرح ہوں تب تو ہم ہدایت پر ہیں ورنہ نہیں ہیں۔ بارہا قرآن کریم صحابہ کرامؓ کی عظمت پر گفتگو کرتا ہے۔ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کی مجموعی عظمت کے بیان میں فرماتے ہیں: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝﴾ ’’لیکن (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر رچا دیا ہے اور اُس نے تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر‘ فسق

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

اور نافرمانی کو۔ یہی لوگ ہیں جو صحیح راستے پر ہیں‘‘۔ اسی طرح بیعت رضوان کے تناظر میں اللہ تعالیٰ چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی گواہی دیتا ہے جو سورۃ الفتح کی آیت ۱۰ اور ۱۸ میں آئی ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے راضی ہو گیا جب وہ آپؐ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے‘‘۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوداؤد کی روایت کے مطابق فرمایا: ((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ‘ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) ’’تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا اور ان کی سنت کو داڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑنا لازم ہے‘‘۔ جمعہ کے خطبات میں بخاری کی روایت عموماً آپ سنتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دور میرا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا دور‘ پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے یعنی تابعین کا دور‘ پھر جو ان کے بعد ہوں گے یعنی تبع تابعین کا دور۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین ادوار قرار دیا ہے۔ ابوداؤد کی مشہور روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بنی اسرائیل ۷۲ گروہوں میں تقسیم ہوئے تھے اور تم ۷۳ میں تقسیم ہو جاؤ گے‘ ان میں ایک نجات پانے والا گروہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہوگا‘‘۔ اس روایت کی تفصیل کا موقع تو نہیں‘ لیکن یہ ایک بہت بڑی غلطی ہوگی کہ ہم آج کے دور میں ۷۳ فرقوں کو شمار کرنا شروع کر دیں۔

اب جو نظامِ خلافت قائم ہوگا‘ یاد رکھیے اس کے لیے نمونۂ تقلید وہ معاشرہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں موجود تھا‘ جس معاشرے کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ میں خلافت راشدہ کی بات نہیں کر رہا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آج ہم نظامِ خلافت کے قیام کی جِدّوجُہد کی بات تو کریں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے صرفِ نظر کر دیں۔

چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث بیان فرمائیں۔ یہ تمام احادیث مولانا منظور احمد نعمانیؒ نے معارف الحدیث کے کتاب المناقب میں جمع فرما دی ہیں۔ میں ان میں سے صرف چند ایک کا ترجمہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث وہ ہے جو جمعہ کے خطبات میں پڑھی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں رحم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں‘ اللہ کے حکم میں شدید ترین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں‘ حیا میں سب سے بڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور قوتِ فیصلہ میں سب سے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک ہی جگہ چاروں خلفائے راشدین کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے کہ جنہوں نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی۔ اللہ عمر فاروقؓ پر رحم فرمائے کہ جن کی بات سچی ہوتی ہے اس لیے

لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اللہ عثمان غنیؓ پر رحم فرمائے جن سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں اور اللہ علیؓ پر رحم فرمائے کہ حق علیؓ کے ساتھ اور علیؓ حق کے ساتھ ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں آپ نے ذکر فرمایا کہ میرے چاروں صحابہؓ کی محبت کسی منافق کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں چاروں صحابہؓ کی محبت نہیں وہ مسلمان کا دل نہیں' نفاق والے کا دل ہوسکتا ہے۔

یہ تین احادیث ہیں جہاں مجموعی اعتبار سے ان چاروں خلفاء کی عظمتوں کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ ایک ایک صحابی کے انفرادی فضائل جن احادیث میں آتے ہیں' اب ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے مجھ پر احسان کیا' میں نے اس کے احسان کا بدلہ چکایا ہے سوائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے جن کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی چکائے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سے سب سے پہلے جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں جو بڑی عمر کے لوگ ہوں گے ان کے سردار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس راستے سے عمر فاروق کا گزر ہو جائے' شیطان اس راستے سے بھاگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عمر فاروقؓ کی زبان پر حق کو جاری کر دیا۔ میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو عمر فاروقؓ ہوتے۔ ہر امت میں کوئی محدَّث ہوتا ہے (دال پر زبر کے ساتھ) جس کے دل میں اللہ الہام کی صورت میں کوئی بات ڈال دیتا ہے اور میری امت کے محدَّث عمر فاروقؓ ہیں۔ علماء نے نقل کیا کہ ۲۲ کے قریب آیات حضرت عمر ؓ کی متعلقہ مسئلے کے بارے خواہش کے مطابق نازل ہوئیں۔ مثلاً بدر کے قیدیوں کو قتل کیا جائے' پردے کا حکم واضح طور پر نازل ہو جائے' شراب اور جوئے کے بارے میں حتمی حکم آ جائے' نماز باجماعت کے لیے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے' وغیرہ۔

حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ؓ کو شیخین کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ جس معاملے پر ان دونوں کی رائے ایک ہو جائے میں کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ ایک موقع پر جب حضور ﷺ تشریف فرما تھے اور ان کے دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق ؓ بیٹھے تھے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ہم تینوں کو اکٹھا اٹھائے گا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جنت میں جن بڑی عمر کے لوگوں کو داخل کیا جائے گا ان کے سردار یہ دونوں حضرات ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں' اور میرے دو وزیر آسمان میں جبرائیل اور میکائیلؑ اور زمین میں حضرات ابوبکر وعمر فاروقؓ ہیں۔ یہ وہ چند فضائل ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے حضرات شیخین کے بارے میں بیان فرمائے۔

حضرت عثمان غنی ؓ کا یہ اعزاز ہے کہ حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگرے عثمان غنیؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ ایک مشہور روایت میں چالیس کی تعداد کا بھی ذکر ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ عثمان غنیؓ کی حیا کا یہ عالَم ہے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں اور ان سے تو زمین و آسمان بھی حیا کرتے ہیں۔ جب حضرت عثمان غنی ؓ غزوۂ تبوک کے وقت نبی اکرم ﷺ کے کہنے پر اللہ کی راہ میں انفاق میں پیش پیش تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ جو چاہیں کریں' اللہ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے فضائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند فرمودات ملاحظہ ہوں۔ جب مواخات کا رشتہ استوار ہوا اور ایک مہاجر' ایک انصار کو بھائی بھائی بنا دیا گیا۔ حضرت علی ؓ اکیلے رہ گئے' تو آپؓ نے حضور ﷺ سے کہا: مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ یہ بات حضرت علیؓ کے لیے بھی ہے اور یہ بات سارے صحابہؓ کے لیے بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنہوں نے میرے صحابہؓ سے محبت کی تو انہوں نے میری محبت کی بنیاد پر ان سے محبت کی اور جنہوں نے ان سے بغض رکھا تو انہوں نے مجھ سے بغض کی بنیاد پر ان سے بغض رکھا۔ اس حدیث کو اہلِ سنّت کے علماء نے بھی نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں''۔ ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے اپنے ان چار صحابہؓ میں تقابل کرنے کی کوشش سے منع فرمایا ہے۔ عشرۂ مبشرہ میں شامل جن صحابہؓ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی' ان میں چاروں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں۔

کم و بیش تیس برس تک ان چاروں خلفاء کا دور رہا۔ اس میں تقریباً ڈھائی برس حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا' کم و بیش دس برس سیدنا عمر فاروق ؓ کا' کم و بیش بارہ برس حضرت عثمان غنی ؓ کا اور کم و بیش پانچ برس حضرت علی ؓ کا دورِ خلافت رہا۔ اگر ایک اور اعتبار سے مجموعی طور پر جائزہ لیں تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا دور سب سے کم رہا۔ جو نظام نبی اکرم ﷺ برپا کر کے گئے' اس کو مستحکم کرنا اور برقرار رکھنا' تاکہ یہ آگے بڑھ کر پھل پھول سکے' یہ ہے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا کارنامہ۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کو جو مستحکم نظام ملا اس کے دوران اسلامی حکومت کی حدیں بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل جاتی ہیں' جس پر یورپ والوں کو لکھنا پڑا کہ مسلمانوں کو اگر

ایک اور عمرؓ مل جاتا تو ساری دنیا اسلامی حکومت کے تحت ہوتی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے متعلق کہنا کہ یہ سارا عرصہ انتشار کا شکار رہا' بہت بڑا الزام ہے۔ یہ آخری دو تین برس کی بات ہے جب ان کے خلاف یہودی عبداللہ بن سبا کی جانب سے سازشیں کھڑی کی گئیں۔ اس سے قبل نو (۹) سال کا عرصہ تقریباً دورِ فاروقی کی شان کا حامل تھا۔ دو' تین اضافی باتیں ہیں جو ہمیں اس دور میں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پانچ برس کا دورِ خلافت فتنہ وفساد کا شکار رہا ہے' جب غیروں کی سازشوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں۔ اس دور کے سارے انتشار کے باوجود یہ استقامت کہ نظام کو جوڑے رکھا جائے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان تھی۔ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور نظام کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کرنا اور ان کے دور میں جو فتنے برپا ہوئے انہیں فرو کرنے میں گزرا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دس برس کا دور اسلامی حکومت میں وسعت کا دور ہے جس میں نظام کے مختلف گوشے روبہ عمل لائے گئے جس کی برکات کا دنیا نے مشاہدہ کیا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور شانِ دورِ فاروقی کا تسلسل بھی ہے اور اس میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ آخری چار سال کا دور انتشار کا تھا جو آپؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ آخری پانچ سالہ دور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا جس میں مزید شورشیں برپا ہوئیں' جن سے نمٹنا اور اس نظام کو بچانے کی کوشش کرنا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے۔

اب بات کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے تھوڑے سے ذاتی حالات اور ان کے دور کی فتوحات اور کچھ نئی باتیں جو نظام کے حوالے سے سامنے آئیں' ان پر گفتگو ہوگی۔ اور مجموعی طور پر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ وہ کیا خاص خصوصیات تھیں جو ہمیں نظام کی سطح پر دکھائی دیتی ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپؐ کے حکم پر سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔ ایک واقعہ وہ ہے جب آپؓ کی امامت کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپؐ نے انہیں روک دیا۔ اب صورتحال یہ بنی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقتدی ہیں اور تمام صحابہ کرامؓ نے ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ دورِ نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ اشارہ ہے کہ یہ تمہارے امیر ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ موجود ہیں تو کسی کو امیر نہ بنانا۔ آپؓ بڑے ہی نرم دل اور زہد وتقویٰ کے حامل تھے۔ خلافت سے قبل تجارت ان کا معمول تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے کپڑے اٹھائے اور بازار کا رخ کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ ملے تو دریافت فرمایا کہ کدھر تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ تجارت کے سلسلے میں بازار جا رہا

ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تو پھر خلافت کیسے چلے گی؟ پوچھا کہ پھر میں کیا کروں؟ جواب دیا کہ آپؓ اپنا کوئی وظیفہ بیت المال سے مقرر فرما لیں۔ اتنا وظیفہ طے ہوا جو کہ ایک عام آدمی کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ نے حلوہ بنایا۔ پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ کہا کہ میں نے کئی دنوں میں آٹے کی تھوڑی تھوڑی بچت کی اور آج یہ حلوہ تیار ہوا۔ اس پر آپؓ نے بیت المال سے اپنا اتنا وظیفہ کم کروا دیا۔ تاریخی اعتبار سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وفات سے قبل ایک مکان کو فروخت کیا۔ حاصل شدہ رقم سے جتنا کچھ بیت المال سے وظیفے کے طور پر لیا تھا' بیت المال میں واپس جمع کروا دیا۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ نماز میں ہچکیاں بندھ جایا کرتی تھیں۔ فکرِ آخرت کا معاملہ یہ تھا کہ کسی پرندے کو دیکھا تو کہا کہ کاش میں تیری طرح ہوتا کہ تو مر کر ختم ہو جائے گا' تیرا حساب کتاب نہیں ہوگا' لیکن ابوبکر کو دوبارہ زندگی ملے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کے لیے پیش ہونا ہوگا۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زندگی ہی میں صرف جنت کی بشارت ہی نہیں ملی بلکہ یہ خوشخبری بھی ملی تھی کہ میری اُمت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آپ ہوں گے' ان کے خوفِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ کاش میں تنکا ہوتا جو جل کر راکھ ہو جاتا اور اس کا حساب کتاب نہ ہوتا۔ خلافت سے قبل آپؓ محلے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب آپؓ خلیفہ بنے تو ایک کم عمر لڑکی بہت پریشان تھی۔ کہنے لگی کہ اب تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا کیونکہ آپؓ خلیفہ بن گئے تو اب ہمارا کام کون کرے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تمہیں میری ضرورت پڑے تو مجھے بتانا' میں پہلے کی طرح تمہارا کام کر دیا کروں گا۔ یہاں تک کہ آپؓ اس لڑکی کی بکری کا دودھ بھی دوہ دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک بوڑھی بیوہ جو غالباً نابینا تھی' اس کے پاس آپؓ پہنچ گئے۔ فرمایا کہ تمہارا کام کاج کون کرتا تھا؟ وہ بولی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کر دیا کرتے تھے۔ یہ ہے عوام کی خدمت کا معاملہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوا کرتا ہے۔ اس کی عملی تصویر خلفائے راشدین تھے۔ وہ جو اندرونی استحکام کی بات ہے' اس میں تین بڑے اہم مسائل ہیں۔ اول جھوٹی نبوت کے دعوے دار کھڑے ہوئے۔ دوم بڑے بڑے قبائل کے سردار مرتد ہو گئے۔ سوم منکرینِ زکوٰۃ وجہ فساد ہوئے۔ ان کے سدِّباب کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کمربستہ ہو گئے۔ جھوٹی نبوت کے دعوے داروں میں سے ایک مسیلمہ تھا جس کا نام ہی مسیلمہ کذاب پڑ گیا۔ یہ دورِ نبوی میں ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ ایک عورت بھی نبوت کی دعویدار بن کر سامنے آ گئی اور اس نے مسیلمہ کذاب سے شادی بھی کر لی۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں اسود عنسی اور طلیحہ بن خویلد بھی شامل تھے جو مختلف علاقوں میں سرکش ہو گئے۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے

لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف مہمات روانہ کیں جن میں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مرتد سرداروں کے استیصال اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف آپؓ نے جنگ کا اعلان کیا۔ یہ وہ موقع تھا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلالی شخصیت کھڑی ہوگئی اور ان سے کہا کہ آپ ذرا ہلکا ہاتھ رکھیں۔ ابھی جھوٹی نبوت کے دعویداروں سے بھی نمٹنا ہے‘ بلا مبالغہ ان کے لاکھوں پیروکار بن چکے تھے۔ مرتدین کے مسئلے سے بھی نمٹنا ہے‘ لہٰذا منکرین زکوٰۃ پر ذرا ہلکا ہاتھ رکھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو تنبیہ کی کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے! اللہ کے دین میں ردّ و بدل ہو رہا ہو اور میں زندہ رہ جاؤں‘ یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ کی استقامت‘ قوتِ ارادی اور جوش و جذبہ اس قدر تھا کہ آپؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر وہ قبائل دورِ نبوی میں زکوٰۃ کے طور پر اونٹ کی رسی بھی دیتے تھے‘ اور اب نہیں دیں گے تو میں ان کے خلاف قتال کروں گا۔ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دیتا تو میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اللہ کے دین کی سربلندی تو ہوچکی تھی‘ اب اس کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اس حد تک گئے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۵ میں فرمایا گیا: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ﴾ ’’اگر یہ ایمان لے آئیں‘ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو‘‘۔ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں‘ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ ایسا کرلیں تو ان کی جان و مال محفوظ رہیں گے۔ اس آیت اور حدیث سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے استشہاد کیا اور ان لوگوں کے خلاف اعلانِ قتال کیا جنہوں نے یہ طے کیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ دورِ صدیقی دورِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عین تسلسل ہے۔ سرِ مو کوئی بات سنت سے آگے نہیں چلی۔ اس کی مثال جیش اسامہؓ کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات میں ہی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر مقرر کر گئے تھے۔ وہ نوجوان تھے اور ان کی زیر سرکردگی بڑے بڑے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ کسی نے کہا یا امیر المومنین! اسامہ چھوٹے اور حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے بیٹے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: کیا میں اس جیش اور امیر کو بدل دوں جس کو حضور ﷺ مقرر کر کے دنیا سے تشریف لے گئے؟ یہ سنّتِ رسول ﷺ کی اتباع کا تسلسل تھا۔

حضور ﷺ کا جب وصال ہوا تو فرطِ جذبات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال لی اور فرمانے لگے کہ اگر کسی نے کہا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ سیدنا عمر فاروقؓ کو خاموش کرا دے۔ تب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور وہ خطبہ دیا جو ان کی شان کے لائق تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا

تھا تو وہ جان لے کہ حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ الحی ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور پھر یہ آیت تلاوت کی کہ: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (آلِ عمران: ۱۴۴) ’’محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول دنیا سے گزر چکے ہیں۔ تو اگر وہ شہید کر دیے جائیں یا انتقال کر جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے!‘‘ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یوں محسوس ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہو۔ امت کو بھی اور نظام کو بھی صحیح سلامت رکھنا اور اس منہج پر لے کر چلنا جو نبی اکرم ﷺ عطا کر گئے‘ یہ کارنامہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انجام دیا۔

باقی نظام خلافت کے وہ پہلو ہیں جن کا تعلق بندوں کی بہبود کے ساتھ ہے‘ اس ضمن میں بھی کام ہوئے ہیں لیکن اس کے لیے باقاعدہ کوئی محکمہ بنا ہو‘ ایسا نہیں تھا۔ یہ سب کچھ دورِ فاروقی میں ہوا۔ دورِ صدیقی میں باقاعدہ بیت المال کا محکمہ بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ خلافت کے نظام کے اعتبار سے مشورہ کا نظام موجود تھا۔ کبائر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلافت کا نظام چلاتے تھے۔ عاملین‘ ذمہ داروں کو کہا جاتا تھا‘ جیسے آج کل گورنر ہوتے ہیں۔ ان کے انتخاب میں احتیاطیں برتی جاتیں۔ فوجی نظام بھی موجود تھا۔ افواج کی تقسیم قبائل میں کر دی گئی تھی‘ بوقت ضرورت ان کو بلا لیا جاتا تھا۔ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ذمّی ان غیر مسلموں کو کہا جاتا تھا جو نظامِ خلافت کی بالادستی قبول کر کے اس کے تحت رہتے تھے۔ ان کے تحفظ کے لیے ان پر ایک ٹیکس لگایا جاتا جسے جزیہ کہا جاتا تھا۔ تحفّظِ دین کے ضمن میں محکمہ افتاء قائم کیا گیا تھا۔ لوگوں کی شرعی رہنمائی کے لیے اکابر صحابہ کرامؓ اور مفتی حضرات کے تقرر کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

دورِ نبویؐ میں قرآن سینوں میں بھی محفوظ ہوا۔ ۴۳ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی جو رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں قرآن لکھتے تھے اور کاتبین وحی کہلاتے تھے۔ قرآن مختلف لوگوں کے پاس تحریری شکل میں موجود تھا۔ دورِ صدیقی کے وقت جنگِ یمامہ میں کئی سو کی تعداد میں حفاظ شہید ہوئے۔ اس پر مشورہ ہوا کہ قرآن کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے تاکہ اس کی حفاظت کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ لہٰذا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتبینِ وحی میں شامل تھے‘ کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس نے قرآن کو کتابی شکل میں مرتب کیا۔ ان کے دو خصوصی وصف تھے۔ ایک فہمِ قرآن اور دوسرا علم الانساب کا معاملہ۔ شجرۂ نسب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ان چند نکات سے دورِ صدیقی کی چند خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کا تسلسل جاری رہا۔ بندوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنا بھی پیشِ نظر تھا لیکن اس سے بڑھ کر بندوں کی

روحانی اوراخروی ضروریات کا اہتمام کرنا۔

اگلا دور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ یہاں پر خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ نامزدگی کی بنیاد پر ہے لیکن اس نامزدگی میں اسلام میں جو شورائیت کا مزاج ہے‘ وہ بھی کارفرما ہے۔ مشورے کے معاملے میں قرآن تو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ذریعے امت کے ذمہ داروں کو حکم دیتا ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آلِ عمران:۱۵۹) ”(اے نبی ﷺ!) ان سے معاملات میں مشورہ کیجئے“۔ اور قرآن اہل ایمان کی شان بھی یہ بیان کرتا ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: ۳۸) ”ان کے درمیان معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں“۔ حضرت ابوبکرؓ کبائر صحابہؓ سے مشورے کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے دل کو مطمئن کیا اور وہ اپنے بعد بطور خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کو نامزد کر گئے۔ اس پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہوا۔ اس طرح نامزدگی کے ذریعے بھی خلافت کا تصور سامنے آیا۔ آپؓ کا دورِ خلافت دس برس کے عرصے پر محیط رہا۔ فتح مکہ سے قبل حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اس بارے میں ایک خط اہلِ مکہ کو روانہ کر دیا۔ سورۃ الممتحنہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکہ کے خلاف اقدام کو خفیہ رکھنا چاہا۔ اس صحابیؓ سے ایک خطا سرزد ہوگئی۔ انہوں نے سوچا کہ اللہ کی نصرت سے آپؐ کو فتح حاصل ہوہی جائے گی‘ لیکن مکہ میں ان کے جو اہل خاندان رہ گئے تھے‘ ان کو وہاں کسی کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ اہم خبر ان کو پہنچا دی جس کے نتیجے میں انہیں اہل مکہ کی حمایت حاصل ہو جائے‘ تو ان کو تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ بہرحال وہ خط پکڑا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو بڑا طیش آیا اور انہوں نے آپؐ سے گزارش کی کہ آپ مجھے حکم دیں‘ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی۔ (یہ بدری صحابی ہیں۔) اے عمرؓ! تمہیں کیا معلوم کہ اللہ رب العزت اہل بدر سے کہہ چکا ہے کہ جو چاہو کرو‘ تمہارے لیے سب معاف ہے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے معافی طلب کی اور آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔ ایسے کئی مواقع پر حُبِ رسول ﷺ میں اور غیرتِ دینی میں حضرت عمرؓ کا تلوار نکال لینا بہت مشہور و معروف ہے۔ محاسبۂ آخرت کے حوالے سے کہتے تھے کہ میں اللہ کے ہاں برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو یہ میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔ خشیت کا معاملہ یہ کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے بڑے محبوب صحابی ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نبی ﷺ کو چند منافقین کے نام بتا دیئے تو آپؐ نے کسی وجہ سے یہ نام حضرت حذیفہؓ کو بھی بتا دیے۔ ان سے حضرت عمر فاروقؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ اللہ کا واسطہ دے کر ان سے کہنے لگے کہ اے حذیفہؓ! مجھے اتنا بتا دو کہ کہیں اس فہرست میں میرا نام تو شامل نہیں؟ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی

نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے‘ جس کی زبان پر اللہ نے حق کو جاری کر دیا‘ جس راستے سے گزرتے‘ شیطان اس راستے سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ یہ تھے ہمارے خلفائے راشدین۔

زہد و قناعت اور لباس میں اتنی سادگی کہ ایک وقت میں ان کے لباس پر تقریباً چودہ پیوند پائے گئے۔ بیت المقدس کے سفر کا واقعہ کسے یاد نہیں۔ غلام ان کے ہمراہ تھا۔ اونٹ پر ایک منزل خادم بیٹھتا اور ایک منزل آپؓ بیٹھتے۔ جب قریب پہنچے تو بیٹھنے کی باری غلام کی تھی۔ وہاں پہنچے تو اسلامی افواج کے سپہ سالار نے کہا کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے اپنا لباس تو درست کرلیں‘ پیوند بھی لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے ہاتھ میں جوتے بھی اٹھا رکھے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ نے ہمیں اس لباس کی وجہ سے عزت نہیں دی‘ اس نے ہمیں اسلام کی وجہ سے عزت دی ہے۔ مغربی دانشور کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک عمر اور مل جاتا تو ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جاتا۔ انہوں نے نہ صرف دنیا پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی۔ اب آیئے ان کے فتوحات کے تسلسل کو دیکھیں۔ یہاں صرف اشارے کرنا مقصود ہے۔ ایران اور عراق کی فتح‘ آرمینیہ‘ مکران‘ اس دور کا خراسان جس میں افغانستان کا کچھ علاقہ‘ کچھ ایران اور پاکستان کا شمالی حصہ شامل تھا‘ شام‘ اردن‘ بیت المقدس‘ مصر یہ ساری فتوحات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کی ہیں۔ اس وقت کی اسلامی حکومت تقریباً بائیس لاکھ مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی۔

اب میں چند واقعات کا تذکرہ کروں گا‘ جس سے ہم دیکھیں گے کہ آج ہم غیروں سے کتنے متاثر ہیں اور وہ غیر کس سے متاثر تھے۔ گاندھی ۳۶۔۱۹۳۵ء میں بیان دیتا ہے ان امیدواروں کے سامنے جو انتخابات میں کامیاب ہو چکے تھے کہ میرے پاس تمہارے سامنے پیش کرنے کے لیے سوائے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے اور کوئی مثال نہیں۔ اسکینڈے نیوین ممالک کے سوشل ویلفیئر کے تصورات سے ہم بڑے متاثر ہوتے ہیں‘ ان کے نظاموں کو مستحکم کرنے والے مجبور ہیں یہ کہنے پر کہ عمر اس کے بانی اور مؤسس ہیں۔ یہ ان کے ریمارکس ہیں جن کے نظاموں کو دیکھ کر ہم بڑے متاثر ہوتے ہیں کہ وہاں سوشل سکیورٹی‘ معاشرتی بہبود ہے‘ بیروزگار لوگوں کے وظائف اور دیگر مراعات ہیں۔ حضرت عمرؓ کو نہ ماننے والے بھی یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ یہ تصور دنیا کو آپؓ نے دیا۔ نہ تو سیدنا عمر فاروقؓ کے نزدیک دنیا کی بہتری اصل مقصد تھا اور نہ ہی یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اصل مقصد تو آخرت کی بہتری ہے۔ دنیا میں آج جن کو ہم بہتر سمجھتے ہیں وہ ہمارے خلفاء کو بانی قرار دیں جب کہ ان بنیاد رکھنے والوں کے نزدیک دنیا اصل رول ماڈل نہیں ہے‘ تو پھر آخرت کے بارے میں انہیں کیا کیا ہدایات اور تعلیمات ملی ہوں گی۔ مشورہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی لیتے تھے بلکہ ان سے بڑھ کر محمدؐ رسول اللہ ﷺ بھی لیتے تھے‘ لیکن باقاعدہ ایک

مجلس مشاورت کا قیام‘ جس کے وقتاً فوقتاً اجلاس بھی ہوتے ہوں‘ یہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا۔ آپؓ جب کسی کو عہدے اور ذمہ داری کے لیے منتخب فرماتے تو اس کے اثاثہ جات کی فہرست تیار کروا لیتے تھے۔ جب وہ ذمہ داری سے سبکدوش کیے جاتے تو اس کی پچھلی فہرست اور حالیہ اثاثہ جات کا موازنہ کیا جاتا اور زائد کو بیت المال میں جمع کر لیا جاتا۔ اب آپ اسے احتساب کا نام دیں یا محتسب کا ادارہ کہیں۔ یہ آپؓ کے دور میں ہوتا تھا۔ عمال کا محاسبہ کرواتے تھے۔ مصر کے گورنر (جو ایک جلیل القدر صحابیؓ تھے) کے بیٹے نے کسی شخص کے ساتھ گھوڑا دوڑانے کا مقابلہ کیا۔ اُس شخص کا گھوڑا آگے نکل گیا تو گورنر کے بیٹے نے اسے چھڑی سے مارا۔ وہ شکایت لے کر سیدنا عمرؓ تک پہنچ گیا۔ آپؓ نے گورنر اور ان کے بیٹے دونوں کو بلوالیا اور فرمایا: ”تم نے لوگوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا!“ پھر بیٹے کو کوڑے لگانے کا حکم دیا تا کہ اس کے دماغ میں یہ خیال نہ آئے کہ چونکہ میں گورنر کا بیٹا ہوں‘ لہٰذا جو چاہوں کروں۔ آپؓ نے تو اپنے آپ کو بھی احتساب کے لیے پیش کیا ہے۔ ایک موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہم نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے! آج احتساب‘ آزادیٔ اظہارِ رائے اور مساوات کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ آپؓ نے اسے عملاً نافذ کر کے دکھایا۔ انہوں نے یہ نہیں کیا کہ حضرت سلمان فارسی کو لاپتا لوگوں کی طرح جیلوں میں ڈلوا دیا ہو‘ بلکہ پوچھا کیوں میری بات نہیں سنو گے؟ کہا کہ یہ جو قمیص آپ نے پہنی ہوئی ہے اس کا کپڑا کہاں سے آیا؟ ہمیں بھی اتنا ہی کپڑا مالِ غنیمت سے ملا تھا‘ اس کپڑے سے ہماری قمیصیں تو بنی نہیں‘ آپ کی قمیص کیسے بن گئی؟ اس لیے کہ حضرت عمر فاروقؓ طویل القامت شخصیت تھے۔ انہوں نے جواب میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا کہ اس کی وضاحت کر دو۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنا کپڑا اباجان کو دے دیا‘ کیونکہ جتنا کپڑا ملا تھا اس میں ان کا لباس نہیں بن سکتا تھا۔ یہ وضاحت سن کر حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ اب ہم آپ کی سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے!

آپؓ کے دور میں قضاء کا باضابطہ نظام قائم ہوا۔ قاضی شریح کی عدالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی جانا پڑا۔ جب حضرت علیؓ کی زرہ کی چوری کا ان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے پوچھا کہ آپؓ کے پاس اس کی ملکیت کے ثبوت کے لیے کون سے گواہ ہیں؟ جواب دیا کہ میرا بیٹا حسن اور غلام قنبر۔ انہوں نے کہا کہ شرع میں بیٹے اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ یوں حضرت علیؓ کا مقدمہ خارج ہو گیا۔ یہ کارروائی دیکھ کر وہ یہودی‘ جس نے زرہ اٹھائی تھی‘ اسلام لے آیا اور زرہ بھی لوٹا دی۔

پولیس کا باقاعدہ محکمہ اور جیل کا قیام آپؓ کے دور میں عمل میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے مال گزاری اور آب پاشی کے محکمے بنائے اور بڑی بڑی نہریں جاری فرمائیں۔ آمدنی کے مختلف ذرائع مقرر ہوئے جن میں زکوٰۃ و صدقات‘ مالِ غنیمت‘ مال فے وغیرہ شامل تھے۔ فوجی چھاؤنیوں کا قیام بڑے بڑے شہروں میں عمل میں آیا۔ حدیث و فقہ کی باقاعدہ تعلیم و تعلّم کا انتظام کیا گیا۔ علماء اور خطباء کا باضابطہ انتظام ریاست کی جانب سے کیا جاتا تھا۔ یہ آج کا مسئلہ ہے کہ مسجد کے سارے اخراجات بشمول ائمہ و خطباء‘ ہمیں برداشت کرنا پڑ رہے ہیں۔ مدارس ہم بنائیں‘ قرآن کی تعلیم کے اخراجات ہم برداشت کریں اور حکمران عیاشیاں کریں۔ جہاں ریاست رعایا کی بہبود کے تمام اخراجات کی ذمہ دار ہے‘ وہیں اس کی دینی اور روحانی تعلیم و تربیت کی بھی ذمہ دار ہے۔ تعمیر مساجد‘ مسجد نبوی کی توسیع‘ رفاہ عامہ کے کام مثلاً پانچ پانچ نابینا افراد پر ایک ایک آدمی مقرر کیا گیا جو اُن کی نگہبانی کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ آپؓ نے ایک غیر مسلم بوڑھے کو مانگتے دیکھا تو یہ فرما کر کہ جب وہ جوان تھا تو اس سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا‘ لیکن اب بڑھاپے میں یہ بے سہارا کیوں ہو جائے‘ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جس بچے کی پیدائش سے قبل اس کا والد فوت ہو چکا ہو‘ وہ بھی وظیفے کا حقدار تھا۔ ہمارے حکمرانوں کو اپنے گھر یا گاڑی کے شیشے سے باہر کچھ دکھائی نہیں دیتا‘ جبکہ ہمارے خلفاء تو گھروں میں جا کر رعایا کی خبر گیری کرتے تھے۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپؓ رات کو معمول کے گشت پر نکلے تو باہر کسی خیمے کے اندر سے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت ہے جو کچھ کنکریاں وغیرہ ہانڈی میں ڈال کر ہلا رہی ہے تا کہ بچے یہ سمجھیں کہ کھانا تیار ہو رہا ہے اور اس طرح انتظار کرتے کرتے وہ سو جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور واپس لوٹ کر بیت المال سے سامان کی بوری اٹھائی اور خادم کے اصرار کے باوجود اسے اپنی پیٹھ پر یہ کہہ کر لاد لیا کہ ”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“۔ عورت کے پاس جا کر کہا کہ اسے پکائیے اور انہیں کھلائیے تا کہ جن بچوں کو میں نے روتے ہوئے دیکھا ہے‘ ان کے چہروں پر مسکراہٹ بھی دیکھ لوں۔ انہیں احساس ہوا کہ آج اگر مجھ سے کوتاہی ہوئی تو کل اللہ کے ہاں باز پرس نہ ہو جائے۔ یہ وہ ہستی ہیں جو دنیا کو ایک نظام دینے والے بانی (pioneer) بنے۔ ان کے خوفِ آخرت کا یہ حال تھا۔

ایک موقع پر راہ چلتے ہوئے ایک بوڑھی عورت نے روک لیا۔ اس نے کہا: اے عمرؓ! تجھے یہ اختیار کس نے دیا کہ حق مہر پر پابندی لگائے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ کوئی ڈھیروں مال بھی مہر کے طور پر دے سکتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایک بوڑھی عورت کے ذریعہ عمرؓ کو دین سکھا دیا۔ اس سے بڑھ کر آزادی اظہار رائے اور کیا

ہوگی؟ ایک شہر میں وبا پھیل گئی۔ پوچھا کہ اس حوالے سے کوئی حدیث ہے کہ کسی علاقے میں وبا پھیل جائے تو ہمیں کیا انتظام کرنا چاہیے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اندر ہے‘ وہ اندر رہے اور جو باہر ہے‘ وہ باہر رہے۔ اندر والا باہر نہ جائے اور باہر والا اندر نہ آئے۔ فرمانِ نبویؐ سننے کے بعد آپؓ نے حکم جاری کر دیا اور پابندی لگوا دی‘ لیکن خلیفۂ وقت کی حیثیت سے خود اس بارے میں فیصلہ نہیں کیا۔ مہمان اور سرائے خانوں کی تعمیر‘ دیگر مواصلاتی ذرائع کے انتظامات بھی ان کے دور میں ہوئے۔

۲۶۔۲۷ ذوالحجہ کو آپؓ پر حملہ ہوا۔ ایک عجمی غلام جس کا نام ابولولو فیروز تھا‘ اس نے نمازِ فجر کے دوران خنجر سے وار کیا۔ یکم محرم الحرام کو آپؓ کی شہادت ہوئی۔ تین خلفائے راشدین اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا عثمان غنیؓ ۱۸ ذولحجہ اور حضرت علیؓ ۲۱ رمضان المبارک کو شہید ہوئے۔ معذرت کے ساتھ کہ یہ جو مطالبہ ہے کہ ان تاریخوں میں چھٹیاں منائی جائیں‘ اس کی دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ کیا یہ ایام چھٹیاں منانے کے لیے رہ گئے ہیں؟ پورے سال میں تو پھر کوئی دن ایسا نہیں بچے گا جس میں چھٹی نہ منائی جائے۔ کیونکہ سال میں کوئی ایسا دن نہیں جس میں صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے کسی کی شہادت نہ ہوئی ہو۔ اگر اس سے مقصد ان کا تذکرہ ہو تو بالکل ہونا چاہیے تاکہ ہم میں جذبہ و جوش ایمانی پیدا ہو اور ہمارا مال اور ہماری جان اللہ کے دین کی سربلندی کی جِدّوجُہد میں لگیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ افراد پر مشتمل کمیٹی بنا دی جن میں کبارِ صحابہ حضرت عثمان غنیؓ‘ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی شامل تھے اور ان کو پابند کیا کہ باہمی مشاورت کے بعد تین دن کے اندر فیصلہ کر لینا کہ کون ہمارا امیر ہوگا۔ آخر کار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہوا اور وہ تیسرے خلیفۂ راشد بنے۔ ان کا دورِ خلافت کم و بیش بارہ برس پر محیط تھا‘ جس میں آخری دو تین سال عبداللہ بن سبا یہودی کے پیدا کردہ فتنے کی نذر ہو گئے۔ اپنی شہادت سے قبل حضرت عثمان غنیؓ نے فتنہ پسند گروہ سے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے شہید کیا تو یاد رکھنا کہ قیامت تک اُمت ایک امام کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کر سکے گی۔

آیئے‘ پہلے ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چند ذاتی حالات پر نظر ڈال لیں۔ اپنی فیاضی کی بنا پر غنی کا لقب پایا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں ہر اہم موقع پر ہجرت سے قبل و بعد ڈھیروں مال خرچ کیا۔ قحط سالی کا دور ہو یا پانی کے لیے کنویں کی ضرورت‘ آپؓ کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر تو آپؓ نے اتنا کچھ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمانؓ! آج کے بعد تم جو چاہو کرو‘ تمہارے لیے سب معاف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے جس ہاتھ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ پر بیعت کی‘ زندگی بھر اسے اپنے جسم کے پوشیدہ مقام پر نہیں لگایا۔ یہ ان کے احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تھا۔ خشیت کا معاملہ ایسا کہ جب کبھی کسی قبر سے گزر ہوتا تو اتنا روتے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ پوچھا گیا کہ اے عثمانؓ! آپ کے سامنے جنت و جہنم کا تذکرہ آتا ہے‘ اس وقت آپ کی حالت ایسی نہیں ہوتی لیکن قبر کے معاملے میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ جو یہاں کامیاب ہو گیا وہ آگے بھی کامیاب ہوگا اور جو یہاں ناکام ہو گیا وہ آگے بھی ناکام ہو جائے گا۔ یہ بات مجھے رلا دیتی ہے۔

انفرادی طور پر بھی رفاہ عام کے کام بہت کیا کرتے تھے۔ جہاں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ ہوتا‘ وہیں غلاموں کی آزادی کے لیے کثرت سے ہر جمعہ کو مال خرچ کر کے انہیں آزاد کراتے۔ لوگوں کی ذاتی ضروریات اپنی جیب سے پوری کرتے تھے۔ آپ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ آگے پھیلا ہے۔ اگر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دورِ خلافت انتشار کا شکار رہا تو یہ بات درست نہیں۔ آپ کے دور میں آذربائی جان‘ قبرص کی فتح ہوئی‘ اسپین پر حملہ ہوا‘ یورپ تک اسلام کی سرحدیں وسیع ہوتی چلی گئی ہیں۔ جو فوجی چھاؤنیاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوئیں ان میں آپؓ کے دور میں اتنی وسعت ہوئی کہ ایک ایک فوجی چھاؤنی میں چالیس چالیس ہزار اونٹ پالے جاتے تھے۔ یہ تصور بھی ذہن میں لے آیئے کہ فوجی چھاؤنیاں کیوں بنائی جاتی تھیں۔ مالِ غنیمت یا کشور کشائی کے لیے نہیں بلکہ ساری زمین پر اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے بنائی جاتی تھیں‘ تاکہ وہاں اللہ کی تعلیمات پر مبنی عادلانہ نظام قائم ہو۔ یہ ساری جنگی تیاریاں اسی مقصد کے لیے تھیں جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دی۔ پہلا بحری بیڑہ ان کے دور میں قائم ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے اس کی اجازت نہیں ملی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں بحری فوج کی اجازت دی۔ آپؓ کے دور میں جدہ میں باقاعدہ بندرگاہ قائم ہوئی۔ مسجد نبوی کی بھی توسیع ہوئی۔ ایک بہت بڑی قرآنی خدمت جو آپؓ کے دور میں ہوئی‘ وہ امت کو ایک رسم الخط پر جمع کرنے کی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کو غلط فہمی کی بنا پر ’’جامع القرآن‘‘ کہا جاتا ہے۔ قرآن کو جمع کرنے کا کام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینوں میں قرآن کو جمع کر کے کر دیا۔ کتابی شکل میں قرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام عجمی علاقوں تک پھیل گیا۔ اب مسائل پیدا ہوئے۔ عجمی زبانوں میں جس طرح بولنے کا انداز الگ تھا‘ ویسے ہی لکھنے کا بھی مختلف تھا۔ سوال یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ عجمیوں کو تلاوت میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے

مدنظر حضرت عثمان غنیؓ نے امت کو ایک رسم الخط پر جمع کر دیا۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ میں ہم پڑھتے ہیں مٰلک یوم الدین ۔میم پر کھڑی زبر ہے اور اردو میں اسے کھڑی زبر کے بجائے الف کے ساتھ مالک لکھا جاتا ہے۔ اس کی ایک قراءت ’’مَلِكِ يَومِ الدين‘‘ بھی ہے ـــــ چنانچہ قرآن میں ’’مَالِكِ يَومِ الدين‘‘ لکھنا غلط ہوگا‘ اسے ہمیشہ ’’مٰلك‘‘ ہی لکھا جائے گا۔ جو چاہے مٰلك پڑھ لے یا مَلك پڑھ لے‘ دونوں طرح ادائیگی ہوسکتی ہے۔ یہ خدمت قرآن اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنیؓ کو عطا فرمائی۔ آپؓ کے دور میں بیت المال سے مؤذنوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ سبائی فتنے کے نتیجے میں ۱۸ ذوالحجہ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی۔ سانحۂ کربلا کا بیان تو بہت ہوتا ہے لیکن حضرت عثمان غنی ؓ کے پچاس دن کے محاصرے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ آپؓ کے خون کے چھینٹوں کا مصحف پر لگنا بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ آپؓ نے فرمایا کہ ان (سازشی لوگوں) کو میری ذات سے دشمنی ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس موقع پر امت میں افتراق پیدا ہو جائے۔ لہٰذا آپؓ نے اُمت کو متحد رکھنے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ!

حضرت عثمان غنی ؓ کے بعد سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کا دورِ خلافت پانچ برس تک رہا‘ لیکن حضرت عثمانؓ کے بعد وہ سچ ثابت ہوا جو آپؓ نے فرمایا تھا کہ اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم میرے بعد ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکو گے۔ اب مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں۔ یہ ابن سبا کے فتنے کا ہی تسلسل تھا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا مسئلہ اور اس کے بعد تو دورِ فتن ہے جس میں مختلف سازشوں اور فتنوں سے سیدنا علیؓ کو نبرد آزما ہونا پڑا ہے۔ آپ کے چند ذاتی معاملات کا تذکرہ بھی ہو جائے۔ آپ کی زندگی بہت سادہ اور درویشانہ تھی۔ اکثر خاک پر لیٹ جایا کرتے اسی وجہ سے آپ کی کنیت ابوتراب ہوئی۔ عبادت و ریاضت اور اللہ کے کلام کی تلاوت بہت کثرت کے ساتھ کرتے تھے۔ عربی گرامر (صرف و نحو) کے حوالے سے جن بنیاد رکھنے والوں کے نام لیے جاتے ہیں‘ ان میں سیدنا علیؓ بھی شامل ہیں۔ اللہ کے کلام پر بڑی گہری نظر تھی۔ فرماتے تھے کہ کوئی ایسی آیت ـــــ جس کے پیچھے کوئی پس منظر ہے‘ اس کا کوئی شانِ نزول ہے اور اس میں حکم ہے ـــــ نہیں جو میرے علم میں نہ ہو۔ حدیث پر ان کی گہری نظر تھی اور ایک بہت بڑی صفت مقدمات کا فیصلہ کرنے کی تھی۔ یہ آپؓ کی نمایاں شان تھی‘ یہاں تک کہ تینوں خلفائے راشدین اپنے دورِ خلافت میں نہ صرف آپؓ سے مشورے لیتے تھے بلکہ بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل اور مقدمات میں آپ کے فیصلے کو حتمی تسلیم کرتے تھے۔ علماء نے مقدمات میں آپؓ کے دیے فیصلوں کو الگ مرتب کر دیا ہے۔ آپؓ کے دور میں کوئی خاص فتوحات نہیں ہوئیں‘

صرف سیستان اور کابل کے چند علاقے آپ کے دور میں فتح ہوئے ہیں۔ آپ کے دور میں جنگلات کی آمدنی کا اضافہ ہوا۔ سابقہ دو خلفاء کے دور کی طرح آپ بھی اپنے عمال کے اخلاق کی نگرانی فرماتے تھے۔ خراج کی آمدنی کا بڑا احتساب کرتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بڑی کثرت سے اراضی ملیں جو کاشت کرنے والوں کے حوالے کی گئیں اور آمدنی بیت المال میں جمع کرادی گئی۔ ذمیوں کے ساتھ آپؓ نے معاملات بڑے نرم رکھے۔ ان کے حقوق کی پاسداری کی۔ جب کبھی مسلمانوں کی باہمی جنگیں ہوئیں تو وہ علاقے جہاں ذمی اسلامی حکومت کے تحت تھے‘ انہوں نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ اس لیے کہ ذمیوں کو جو غیر مسلم تھے یہ معلوم تھا کہ جو حقوق ہمیں اسلامی حکومت میں مل سکتے ہیں وہ ہمارے اپنوں کی حکومت میں بھی نہیں مل سکتے۔ ایک معاملہ یہ رہا کہ بعض حالات میں جب ذمیوں کے حقوق ادا نہ ہو سکے تو جو جزیہ اسلامی حکومت کو ملتا تھا‘ اسے واپس کر دیا جاتا۔ گویا اس دور میں بھی ٹیکس واپسی کا تصور موجود تھا۔ مارشل کے channels of taxation میں چند بنیادی باتیں یہ ہیں کہ ابتدائی دور کا ٹیکس کم ہو۔ شروع میں سختی کم اور نرمی زیادہ ہونی چاہیے۔ ہر ایک کی visual capacity کو سامنے رکھ کر سسٹم بنایا جائے نہ کہ جس طرح ہمارے ہاں گدھے اور گھوڑے کو برابر کر دیا جاتا ہے۔ اس channels of taxation کے خاص بانی حضرت علی ؓ ہیں۔ آپؓ کے دور میں بازار کی نگرانی بھی ہوا کرتی تھی۔ آپؓ خود جا کر معیار اور قیمتوں کا معائنہ فرمایا کرتے تھے۔ ۲۱ رمضان المبارک کو سیدنا علیؓ کی شہادت ہوئی۔

خلفائے راشدین کے نظام خلافت کی چند خصوصیات پر اب نظر ڈالتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کی بالادستی تھی۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن و سنت سے رجوع کیا جاتا۔ سنتِ رسول ﷺ سے ذرّہ برابر بھی انحراف نہیں کیا جاتا تھا۔ جیشِ اسامہ کو کیسے روکا جاسکتا تھا جبکہ اسے حضور ﷺ نے ترتیب دیا تھا۔ وبا پھیل گئی‘ کیا کیا جائے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے حدیث پیش کی تو اس کے مطابق قانون نافذ کر دیا گیا کہ اندر والے اندر اور باہر والے باہر رہیں۔ شورائیت کا نظام اور مشورے کی فضا قائم رہی‘ آمریت کو پنپنے کا موقع نہیں ملا۔ چاروں خلفاء کے دور میں ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے باہمی مشورے سے خلافت کا نظام چلایا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ بعد میں آنے والے خلفاء سے مشورے کرتے رہے۔ حضرت علی ؓ آخری خلیفہ تھے۔ وہ پہلے تینوں خلفاء کو مشورے دیتے رہے۔ خلفاء کا ذاتی کردار بہت بلند رہا۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حضور جواب دہ اور اپنے آپ کو قوم کا خادم سمجھتے تھے۔ چاروں خلفاء کے دور میں ان کی ذاتی کردار کی کیفیت انفرادی اور حکومتی سطح پر ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ تصور امانت ان میں موجود تھا اور وہ بیت المال کو قوم کی امانت خیال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت

عثمان غنی ؓ کی ذات پر بڑے رکیک الزامات بلوائیوں کی طرف سے لگائے گئے۔ الحمد للہ‘ ہمارے علماء نے تمام الزامات کے مدلل جواب دیے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے ایک رشتے دار نے بیت المال سے کچھ رقم لے لی۔ اس کی سرزنش کی اور اپنی جیب سے رقم بیت المال کو واپس لوٹائی۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں بیت المال میں خوشبو آ گئی۔ بیگم نے ہاتھ لگایا تو کچھ خوشبو لگ گئی۔ اس کی قیمت کا اندازہ کر کے رقم بیت المال میں جمع کرائی۔ شدید گرمی تھی اور حضرت عثمان غنی ؓ اپنے گھر میں تھے۔ انہیں پتا چلا کہ حضرت عمر فاروق ؓ دوڑے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ کہا‘ بیت المال کے دو اونٹ کھو گئے ہیں‘ انہیں تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ عمال کا تقرر کس طرح ہوتا تھا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اگر کسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ذاتی فائدہ اٹھا رہا ہے تو اسے کوڑے لگوائے جاتے۔ فلاحی ریاست کا تصور بھی موجود تھا۔ عوامی فلاح و بہبود کا کام ذاتی حیثیت میں بھی کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ ایک بوڑھی عورت کی خدمت کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ اپنے کاندھوں پر اناج کی بوری لاد کر لے گئے تاکہ جن بچوں کو روتا دیکھ گئے تھے‘ ان کی بھوک مٹے۔ بنیادی حقوق کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ غیر مسلموں کی جان مال‘ گھر بار اور عبادت گاہ کی حفاظت کی ذمہ دار ریاست تھی۔ صرف انسان ہی نہیں جانوروں کے بھی بنیادی حقوق کا خیال رکھا جاتا۔ نبوی مشن‘ اللہ کے کلمے کی سربلندی کی جدوجہد جاری رہی اور لوگوں کو ظلم سے نجات دلا کر انہیں عدل مہیا کرنے کی تگ و دو بھی ہوتی رہی‘ شریعت کا نفاذ بھی جاری رہا۔ اس حوالے سے مانعینِ زکوٰۃ کا معاملہ ذہن میں رہے جن سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں جہاد ہوا۔ یہ خلافتِ راشدہ کی چند خصوصیات ہیں جو ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان خلفائے راشدین اور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کی جماعت پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم سب کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین! ۞۞۞

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے   اشاعت عام: 30 روپے

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی اسلام آباد

مضمون نویسی کا پہلا قومی مقابلہ - 2015

First National Essay writing Competition

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی ملکی سطح پر مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلہ کا انعقاد کر رہی ہے اگر آپ بھی مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں تو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی چند کتب کا مطالعہ کیجیے، حاصل مطالعہ کو الفاظ کا جامہ پہنایے اور لکھیے کسی ایک عنوان پر

عنوانات

1- مسلمانوں کے لیے نظام زندگی اور لائحہ عمل مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب دستورِ حیات کی روشنی میں

☆ نوٹ: مطالعہ / استفادہ کے لیے کتاب "دستورِ حیات"

2- قوموں کا عروج و زوال مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار کی روشنی میں

☆ نوٹ: مطالعہ / استفادہ کے لیے کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"

شرائط:

مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلہ میں شرکت کے لیے درج ذیل اصول و قواعد کی پابندی کی ضروری ہے:

☆ مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلہ میں تمام مرد و خواتین اور طلبہ و طالبات (سکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس) حصہ لے سکتے ہیں۔

☆ مضمون / حاصل مطالعہ صرف مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب سے استفادہ کر کے سپرد قلم کیجیے۔

☆ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتب www.facebook.com/Nadwiacademy سے download کی جا سکتی ہیں۔

☆ مضمون / حاصل مطالعہ اردو یا انگلش میں تین سے چار ہزار الفاظ (A4 کے 6 سے 8 صفحات) پر مشتمل ہو۔

☆ مضمون علمی و فکری اور تجزیاتی ہونا چاہیے۔

☆ ایک صفحے پر اپنے مکمل کوائف (CV) نام، پتہ، تعلیم اور فون نمبر بھی درج کریں۔

☆ مضمون / حاصل مطالعہ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 15 جنوری 2016 ہے۔

انعامات کی تفصیل:

پہلا انعام ---- پندرہ ہزار روپے

دوسرا انعام ---- دس ہزار روپے

تیسرا انعام ---- سات ہزار روپے

اور حوصلہ افزائی کے دس خصوصی انعامات اسکے علاوہ تمام شرکاء کو مقابلہ میں شرکت کے سرٹیفکیٹ بھی دیے جائیں گے

مزید معلومات اور مضمون ارسال کرنے کے لیے:

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی PoBox No 467 - اسلام آباد

Mobile No: 0336-0666777, 0333-5131062, 0336-05555787, 0343-5420850

www.facebook.com/Nadwiacademy, E-mail: nadwiacademy@gmail.com

Nov.2015
vol. 64

Regd. CPL No. 115
No.11

Monthly **Meesaq** Lahore

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org